ساحر لدھیانوی

وہ صبح کبھی تو آئے گی

وہ صبح کبھی تو آئے گی
ان کالی صدیوں کے سر سے جب رات کا آنچل ڈھلکے گا
جب دکھ کے بادل پگھلیں گے جب سکھ کا ساگر چھلکے گا
جب امبر جھوم کے ناچے گا جب دھرتی نغمے گائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

جس صبح کی خاطر جگ جگ سے ہم سب مر مر کے جیتے ہیں
جس صبح کے امرت کی دھن میں ہم زہر کے پیالے پیتے ہیں
ان بھوکی پیاسی روحوں پر اک دن تو کرم فرمائے گے
وہ صبح کبھی تو آئے گی

مانا کہ ابھی تیرے میرے ارمانوں کی قیمت کچھ بھی نہیں
مٹی کا بھی ہے کچھ مول مگر انسانوں کی قیمت کچھ بھی نہیں
انسانوں کی عزت جب جھوٹے سکوں میں نہ تولی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

دولت کے لیے جب عورت کی عصمت کو نہ بیچا جائے گا
چاہت کو نہ کچلا جائے گا، غیرت کو نہ بیچا جائے گا
اپنے کالے کرتوتوں پہ جب یہ دنیا شرمائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

بیتیں گے کبھی تو دن آخر یہ بھوک کے اور بیکاری کے
ٹوٹیں گے کبھی تو بت آخر دولت کی اجارہ داری کے
جب ایک انوکھی دنیا کی بنیاد اٹھائی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
مجبور بڑھاپا جب سونی راہوں کی دھول نہ پھانکے گا
معصوم لڑکپن جب گندی گلیوں میں بھیک نہ مانگے گا
حق مانگنے والوں کو جس دن سولی نہ دکھائی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

(۲)

وہ صبح ہمیں سے آئے گی

جب دھرتی کروٹ بدلے گی. جب قید سے قیدی چھوٹیں گے
جب پاپ گھروندے پھوٹیں گے. جب ظلم کے بندھن ٹوٹیں گے
اس کو ہم ہی لائیں گے۔ وہ صبح ہمیں سے آئے گی
وہ صبح ہمیں سے آئے گی

منحوس سماجی ڈھانچوں میں جب ظلم نہ پالے جائیں گے
جب ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے جب سر نہ اچھالے جائیں گے
جیلوں کے بنا جب دنیا کی سرکار چلائی جائے گی
وہ صبح ہمیں سے آئے گی

سنسار کے سارے محنت کش جب کھلیانوں سے نکلیں گے
بے گھر، بے در، بے بس انسان تاریک بلوں سے نکلیں گے
دنیا امن اور خوشحالی کے پھولوں سے سجائی جائے گی
وہ صبح ہمیں سے آئے گی

ہفت روزہ

"نیوزویک"

نے اپنی حالیہ اشاعت میں جناب بھٹو اور ان کی موت کے بعد ہونے والے ہنگاموں کی چند تصاویر شائع کی ہیں جو ہم ذیل میں ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

جناب بھٹو چو این لائی کے ساتھ

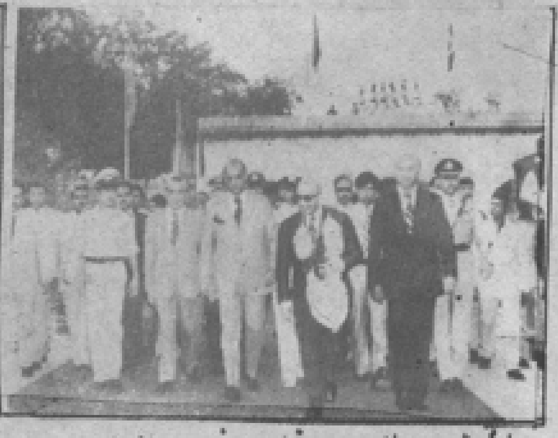

جناب بھٹو صدر داؤد کے ہمراہ شالیمار باغ میں داخل ہو رہے ہیں

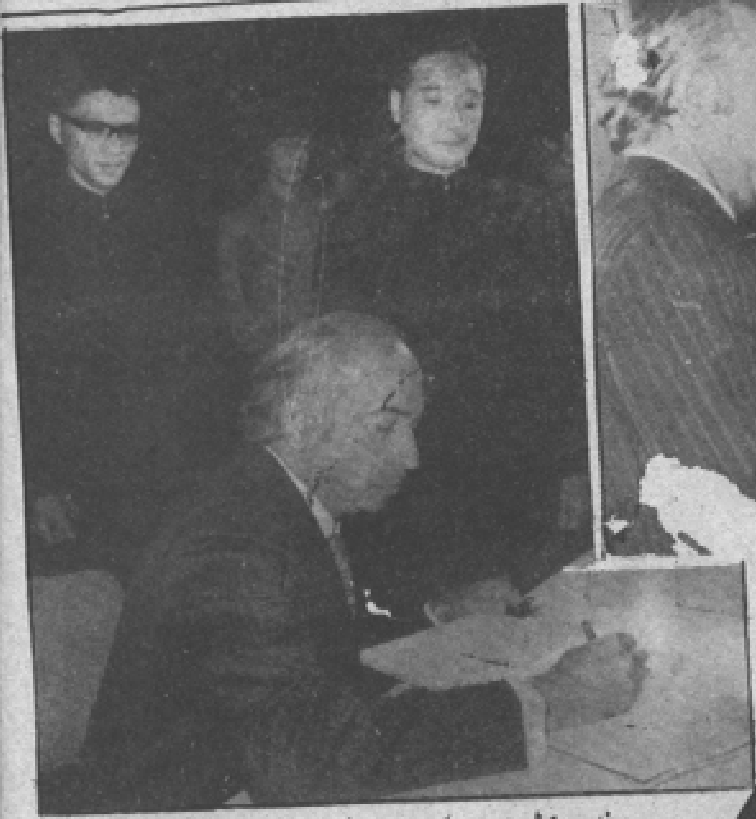

جناب بھٹو اسلام آباد میں چینی سفارت خانے میں آنجہانی چو این لائی کی رحلت کے بارے میں اپنے تاثرات تحریر کر رہے ہیں ۔

جناب بھٹو چینی سفیر کے ہمراہ

۱۹۶۵ء میں جناب بھٹو آنجہانی چو این لائی اور مارشل چن ژی کے ہمراہ پیکنگ میں ایک ریلی دیکھ رہے ہیں ۔

بنگلہ دیش کے سفیر مسٹر ظہیر الدین جناب بھٹو کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران

بیگم نصرت بھٹو

چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی

گستاخی معاف

تحریر:۔۔۔۔ جاوید ڈوگر

یہ بی بی سی ہے

قومی اتحاد کا دسواں ستارہ

ان دنوں اہل اقتدار کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ بالخصوص بی بی سی کو اسلام سے مخاصمت ہے۔ اس نوعیت کے بیانات موجودہ بے اختیار اور بے کار وزراء نے اس وقت سے ہی دینا شروع کر دیئے تھے جب پاکستان کے سابق منتخب وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو پر قتل کا مقدمہ چل رہا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بی بی سی پر اس قدر اعتراضات کی بھرمار کیوں؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ جب بھی کوئی حکومت اپنے ملک کے عوام کو بے خبر رکھے گی تو وہ باخبر ہونے کے لئے بی بی سی کی طرف رجوع کریں گے۔

یہی وزراء جو اب حکومت میں شامل ہیں۔ دو سال قبل مسٹر بھٹو کی جمہوری حکومت کے خلاف تحریک چلا رہے تھے۔ اس وقت کی حکومت نے بھی اخبارات اور ذرائع ابلاغ پر بلا جواز پابندیاں عائد کیں۔ سرکاری اخبارات کو کاسہ لیسی کے لئے استعمال کیا گیا۔ قومی اتحاد کی تحریک کی خبریں بی بی سی سے نشر ہوا کرتی تھیں۔ لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے اور قومی اتحاد کے لیڈر تو اس حد تک چلے گئے کہ بی بی سی کو دسواں ستارہ قرار دیا جو انہیں نظام مصطفےٰ کی منزل کی طرف بڑھنے کو ہمارے جیسے ملک کو نظر آتا۔ وہ بی بی سی زندہ باد کے نعرے لگاتے۔ بی بی سی وہی ہے۔ حکومت بدل گئی ہے۔ بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے حکومت بھی ان لوگوں کی ہے۔ جو "آزادی صحافت" کے نعرے لگاتے نہ تھکتے تھے۔ خدا کے لئے ہوش کے ناخن لیجئے۔ ملکی پریس کو آزاد کر دیجئے اگر کوئی اخبار یا جریدہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے لئے ملکی قوانین موجود ہیں۔ عام سول قوانین کے تحت ان پر مقدمہ چل سکتا ہے۔ اور جھوٹ لکھنے کی سزا بھی مل سکتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا۔ تو لوگ مغربی ذرائع ابلاغ پر اعتماد کریں گے۔ بی بی سی کی خبروں کی بجائے باتوں پر اعتماد کریں گے۔ پھر اس کے کیا نتائج نکلیں گے؟ اس کا اندازہ ڈیڈا فروسی کر نہیں ہو سکتا۔ کسی فہم و فراست رکھنے والے کو ہی ہو سکتا ہے۔ ملکی اخبارات اور حکومت کے زرخرید اخبار نویسوں کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ بی بی سی کے نشر شدہ خبروں کو توڑ مروڑ کر شائع کرتے ہیں۔ اس نوعیت کی ایک مثال ۱۱ اپریل کو بی بی سی سے نشر ہونے والے محترم راؤ ملک غلام مصطفےٰ کھر، میاں زاہد سرفراز اور پروفیسر خورشید احمد کے انٹرویوز سے بھی ملتی ہے۔ حکومتی ڈھنڈوروں نے اسے اپنے اپنے رنگ میں شائع کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے ترجمان اخبارات نے شائع کرنے کی کوشش کی تو سنسر کی قینچی انٹرویو کو لے اڑی۔

گستاخی معاف اہم یہ انٹرویو شائع کر رہے ہیں کہ ہم نے کہا نہیں تھا۔ وہ چھاپیں گے جسے کوئی چھاپ نہ سکے گا۔ ہم نے دعوی نہیں کیا تھا۔ ہم نہ ڈریں گے۔ نہ جھکیں گے نہ بکیں گے۔ جب تک ہمارے دل کی دھڑکن رک نہیں جاتی۔ جب تک ہمارے جسم میں ضمیر نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ جب تک ہمارے قلم میں سیاہی ہے۔ جب تک ہم آزاد ہیں سچی بات لکھتے رہیں گے اور اس کی اجازت وقت کے حاکموں سے نہیں لیں گے۔ یہ کسی سیاسی جیسا کا وعدہ نہیں جو وعدہ فردا ثابت ہو۔ کون نہیں جانتا

کہیں جو اقرار اں حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔

بھٹو کی شہادت کے بعد

انٹرویو۔ غلام مصطفےٰ کھر

پوری قوم رسوا ہو گئی ——— بدنام ہو گئی

آج ۱۰ اپریل ہے۔

شب کے سوا آٹھ بجا چاہتے ہیں۔ بی بی سی کی اردو نشریات میں اعلان کیا جاتا ہے۔ آج ہم اپنے پروگرام سیر بین میں "بھٹو کی سزائے موت سے پیدا ہونے والے حالات کا جائزہ" کے عنوان سے خصوصی پروگرام پیش کریں گے۔ جسے وقار احمد نے ترتیب دیا ہے۔ پروگرام میں ملک غلام مصطفےٰ کھر کا انٹرویو نشر کیا گیا۔ ہم یہ انٹرویو شائع کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسے نوجوان کے خیالات ہیں۔ جو بھٹو کا جذباتی عقیدت مند ہے۔ ضروری نہیں کہ ہمیں اس کے مندرجات سے کلی اتفاق ہو۔

ملک غلام مصطفےٰ کھر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی شانہ بشانہ جمہوریت کی جنگ لڑی۔ وہ ملتان کا یہ نوجوان زمیندار بھٹو کا دلیر رضا کار

اور اس نے کئی مواقع پر ان کی جان بچانے کے لئے اپنی جان پر کھیل گیا۔ جب جناب بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو ملک غلام مصطفےٰ کھر پنجاب کے پہلے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

ہم بھٹو کے جاں نثار ساتھی ملک غلام مصطفےٰ کھر کا انٹرویو چھاپنے کی جسارت کرتے ہیں

مقرر ہوئے۔ بعد ازاں وہ وزیر اعلیٰ بنے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دونوں باپ بیٹے میں ٹھن گئی۔ لیکن جب بھٹو پر آزمائش کا وقت آیا تو مصطفیٰ کھر جناب بھٹو کا ڈرائیور بن گیا۔ جب بھٹو کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا۔ تو مصطفیٰ کھر ان کے سیاسی مشیر تھے۔ جناب بھٹو گرفتار کیا گیا تو ملک غلام مصطفیٰ کھر اپنے قائد کی جان بچانے کے لئے بیرون ملک چلے گئے۔ افسوس صد افسوس کہ وہ فوجی جو بھٹو کی زندگی بچانے کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتا رہا۔ بھٹو کو موت کے شکنجے سے نہ بچا سکا۔ ملک غلام مصطفیٰ کی عدم موجودگی میں ملک بھر میں اس کے بارے میں بہت سی افواہیں پھیلائی گئیں مگر ان کے حالیہ انٹرویو نے ان تمام افواہوں کو جھٹلا دیا۔ ذیل میں ان کا انٹرویو پیش کیا جا رہا ہے۔

بی بی سی: آپ کے خیال میں جناب بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کے کیا نتائج بر آمد ہوں گے۔

مصطفیٰ کھر: میرے نزدیک جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید کو تختہ دار پر لٹکانے کے نتائج انتہائی سنگین ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی طور پر یہ ایک آدمی کا قتل ہے۔ جس کے نتائج کی سزا پوری پاکستانی قوم کو بھگتنا پڑے گی۔ میرے قائد کو دی جانے والی سزا سے پاکستان اور پوری قوم کی بدنامی ہوئی ہے۔ پاکستانی قوم یہ رسوائی برداشت نہیں کرے گی کہ اسے لفظ رسوائی سے نفرت ہے۔ ہماری سیاسی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی پاکستانی قوم نے کسی سطح پر بھی رسوائی محسوس کی۔ تو وہ میدان میں آگئی۔ اپنے وقار کی حفاظت کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔ اب بھی اسی طرح قوم ان لوگوں کو معاف نہیں کرے گی۔ جن کا عہد رسوائیوں کا عہد ہے۔ بدنامیوں کا عہد ہے۔

بھٹو کو شہید کرنے کے ساتھ ہر اس پاکستانی کو دکھ ہوا ہے جو اپنے وطن سے محبت کرتا ہے۔ ظلم و جبر کا ایک لاوا پک چکا ہے۔ جو کسی بھی حکومت کے خلاف بغاوت ہو سکتا ہے۔ پاکستان کا ہر شہری خواہ وہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں۔ اسی حرکت سے رنجیدہ ہے۔ ظلم و جبر کے ان جذبات اور نفرت کو دبایا نہیں جا سکے گا۔ نفرت کی چنگاریاں بکھریں گی۔ جذبات کے شعلے بلند ہوں گے وہی صورت حال پاکستان کے لئے نقصان دہ ہے۔ نتیجہ کے طور پر پاکستان ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو سکتا ہے۔

بی بی سی: کیا بھٹو کی سزا کے بعد پاکستان کے خارجہ تعلقات بھی مجروح ہوں گے۔

مصطفیٰ کھر: جناب ذوالفقار علی بھٹو کو سزا دینے کے بعد بیرونی دنیا میں پاکستان کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ جو قوم خود یہ سمجھتی ہے کہ ان کے محبوب قائد کو تختہ دار سے لٹکانے کی بنا پر صرف بدنامی ان کے حصے میں آئی ہے۔ بیرونی دنیا اس ملک کے بارے میں کیا سوچے گی جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ اگر کسی جائز آدمی کی بات نہ مانی جائے تو اسے دکھ ہوتا ہے۔ اس دکھ کا اظہار اس صورت میں ہوگا کہ پاکستان پوری دنیا سے کٹ کر رہ جائے گا۔ بڑی طاقتوں کے تازہ ترین فیصلے اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ اب پاکستان کی موجودہ حکومت کا کوئی بھی دوست نہیں۔ پاکستان اس بحران سے صرف اسی صورت میں نجات پا سکتا ہے کہ ملک میں انتخابات کرائے جائیں اور اقتدار منتخب نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔

بی بی سی: جنرل ضیاء الحق نے ۱۷ نومبر کو عام انتخابات کا اعلان کیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں

مصطفیٰ کھر: یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ جناب بھٹو شہید پاکستان کے غریب عوام کے دلوں میں بستے

پاکستانی قوم رسوائیوں کا عہد ختم کر کے دم لے گی

ہیں۔ حکومت وقت کو بھی اس امر کا اندازہ ہے کہ وہ الیکشن کی صورت میں اقتدار پر نہیں رہ سکتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ الیکشن ہوں گے یا نہیں۔ اگر ہوئے بھی تو اس کے نتائج عوام کی مرضی سے نہیں حکومت وقت کی آرزوؤں کے مطابق برآمد کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ صورت حال بھی پاکستان کے محب وطن اور غریب شہریوں کے لئے ایک چیلنج بن جائے گی۔ ہمارے غریب عوام اس نوعیت کے چیلنج کا مقابلہ کرنا خوب جانتے ہیں۔ پھر جو ہوگا وہ پاکستان کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ خدا کرے میرے عزیز ہم وطنوں پر ایسا وقت نہ آئے۔ جب پاکستان جل رہا ہوگا اور قیام پاکستان کے دشمن ہمارے گھر کو پھونک کر تماشا دیکھ رہے ہوں گے۔

بی بی سی: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بھٹو کی موت کے بعد پیپلز پارٹی اختلافات کا شکار ہو جائے گی۔ آپ اس بارہ میں کیا سوچ رکھتے ہیں۔

مصطفیٰ کھر: میرے خیال میں ایسا نہیں ہوگا۔ ہمارے قائد نے شہادت کا مرتبہ پاتے وقت ہماری قیادت اور کارکنوں کو اتحاد کا درس دیا تھا۔ پاکستان کے کروڑوں غریب عوام پیپلز پارٹی کے جیالے کارکن اور بہادر قائدین یہ سبق نہیں بھول سکتے۔ ہم لوگ مولانا کوثر نیازی کے خنجر سے واقف ہیں۔ اب کوئی بھی شخص مولانا کوثر نیازی نہیں بنے گا۔ پیپلز پارٹی کے دشمن ہمیشہ سے پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی کا دوسرا نام ہے۔ بھٹو نہ رہا تو پیپلز پارٹی ختم ہو جائے گی۔ غالباً اسی لئے جناب بھٹو شہید کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بھٹو آج بھی ہمارا قائد ہے۔ انتخابات کرا کے دیکھ لیجیے پیپلز پارٹی پہلے سے بھی زیادہ اکثریت کے ساتھ جیتے گی۔ قوم کو خاتون ملت بیگم نصرت بھٹو اور دختر ملت بے نظیر بھٹو کی قیادت پر ناز ہے۔ مکمل اعتماد ہے۔ جب تک پاکستان میں بسنے والا ایک بھی غریب زندہ ہے پیپلز پارٹی کو ختم نہیں کیا جا سکتا بھٹو کی عظیم شخصیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں پارٹی کے راہنماؤں میں اختلافات کا تعلق تھا۔ وہ ہر سیاسی پارٹی میں ہوتے ہیں ہمارے نزدیک یہ کوئی بڑی چیز نہیں۔ کسی سیاسی جماعت میں اختلافات تو اس امر کا ثبوت ہوتے ہیں کہ یہ پارٹی جمہوریت پر ایمان رکھتی ہے۔ جو لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ وہ پیپلز پارٹی کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ ہمیں ختم کرنے والے خود ختم ہو گئے ہیں۔ اب ان بے جان سیاسی لاشوں میں کوئی جان نہیں۔ جبکہ بھٹو شہید آج بھی زندہ ہیں۔

جو کچھ ہونا تھا ہو چکا

اب کچھ نہیں ہوگا

پروفیسر خورشید کی بھی سنیئے

۱۱ اپریل کو بی بی سی نے "بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد پاکستان کی سیاست کے کیا نتائج برآمد ہوں گے" کے زیرِ عنوان ایک خصوصی پروگرام پیش کیا۔ اس ضمن میں جماعت اسلامی کے وفاقی وزیر پروفیسر خورشید احمد کا انٹرویو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بی بی سی: جناب بھٹو کو پھانسی دینے سے پاکستان اور بیرونِ ملک جو ردِ عمل سامنے آیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

پروفیسر خورشید احمد: مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزا قانون کے مطابق دی گئی ہے۔ اس پر جو تھوڑا بہت ردِ عمل ہوا ہے۔ وہ ایک فطری امر ہے۔ چند افراد کی شر پسندانہ کارروائیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ مسٹر بھٹو کے موضوع کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ لوگ اب تک ان مظاہروں کو نہیں بھولے جو قومی اتحاد نے بھٹو کی آمرانہ حکومت کے خلاف کئے تھے ان مظاہرین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں نہیں لاکھوں تھی جس پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری تحریک کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

بی بی سی: آپ کے خیال میں اس سزا پر عمل درآمد کے بعد پاکستانی سیاست کیا رخ اختیار کرے گی۔

پروفیسر خورشید احمد: جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں چند سو افراد کا جذباتی ہو جانا سیاست کا رخ تبدیل نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے باشعور عوام اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ اور جمہوریت کے احیا کے لئے ہم نے موجودہ فوجی حکومت سے تعاون کرنے کا فیصلہ کیا تھا مجھے یقین ہے کہ قوم کی واضح اکثریت اب بھی ہمارے ساتھ ہے اور وہ ملک میں شرافت کی حکمرانی چاہتی ہے۔ جس میں شہریوں کو اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کا مکمل تحفظ ہو گا۔ ۱۷ نومبر کو منعقد ہونے والے جنرل الیکشن میں یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ قوم کس کا ساتھ دیتی ہے۔

بی بی سی: کیا آپ کو یقین ہے کہ الیکشن ۱۷ نومبر کو ہوں گے اور آپ کو اس میں کامیابی بھی نصیب ہو گی۔

پروفیسر خورشید احمد: جی ہاں مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ الیکشن ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کو ہی منعقد ہوں گے، کیونکہ پوری قوم انتخابات کا انعقاد چاہتی ہے۔ اور قومی اتحاد بالخصوص اس پر زور دیتا رہا ہے۔ ہمارے دو مقاصد میں سے ایک الیکشن کا انعقاد تھا۔ ہم ان مقاصد کو حاصل کر کے رہیں گے ان شاء اللہ۔ جہاں اس بات کا تعلق ہے کہ عام انتخابات میں کس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ تو اس کا فیصلہ وقت ہی کر سکتا ہے۔ اب تک حالات ہمارے حق میں ہیں۔ یہ خدشات بھی بے بنیاد ہیں کہ پھانسی دینے کا مقصد پیپلز پارٹی پر پابندی عائد کرنا ہے۔ پیپلز پارٹی پر پابندی عائد نہیں کی جائے گی اسے عام انتخابات میں حصہ لینے کی آزادی ہو گی۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر پیپلز پارٹی الیکشن میں کامیاب ہو گئی، تو اقتدار ان کے حوالے کر کے ہم اپوزیشن میں جا بیٹھیں گے۔ ہم جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں اور کسی جمہوریت کش اقدام کی حمایت نہیں کریں گے۔ خواہ وہ ہمارے خلاف یا ہمارے سیاسی مخالفین کے خلاف چلایا ہو۔

سوال: کیا بھٹو کی سزا کے ردِ عمل کے طور پر پاکستان کے خارجی تعلقات بھی متاثر ہوں گے؟

جواب: پاکستان ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے وہ کسی کو اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ایک شخص کو سزا دینے سے خارجی تعلقات متاثر نہیں ہوں گے۔ ہم نے مختصر عرصہ میں خارجی امور پر بہت توجہ دی ہے۔ ہمیں کم وقت میں سابقہ حکومت کی نسبت زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا بھی ایک خواب ہے کہ بھٹو کی سزا کے بعد خارجہ تعلقات متاثر ہوں گے۔ پھر پاکستانی ایک خود دار قوم ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی اہلیت رکھتی ہے۔ ہم اسی منزل کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں۔

جناب بھٹو کو پھانسی دینے پر

انقلابی لیڈر مختار رانا کہتے ہیں

مجھے تباہی و بربادی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا

بی بی سی نے نشر کیا "صدائے وطن" وسیلہ پیش کش

مختار رانا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے بھٹو دور کے ابتدا ہی میں ان کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ جس کے نتیجہ میں وہ ایک عرصہ تک پسِ دیوارِ زنداں رہے۔ لائل پور کے مزدوروں کے اس ہیرو نے قتل کے الزام میں سزا پائی۔ اس کے بعد بیرونِ ملک چلے گئے بی بی سی نے "بھٹو کو پھانسی دینے سے پیدا ہونے والے حالات کا جائزہ" کے عنوان سے ایک پروگرام میں ان کا انٹرویو نشر کیا۔ جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بی بی سی: بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کے کیا نتائج ہوں گے؟

مختار رانا: اس کے نتائج بہت سنگین ہوں گے یہ بہت بڑی غلطی کی گئی ہے۔ میرے خیال میں اس پر نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں غم و غصے کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ سب ملکوں میں جاری تذلیل ہوئی ہے۔ بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کی سزا کا ردِ عمل فوری طور پر یہ ہوا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی ملک کی سب سے مقبول ترین جماعت بن گئی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں کوئی بھی دوسری سیاسی پارٹی ٹھہر نہیں سکے گی۔

بی بی سی ۔ کیا موجودہ حالات میں پاکستان کی سلامتی کو بھی کوئی خطرہ درپیش ہے؟

مختار رانا :۔ بلاشبہ ملکی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے۔ اس صورت میں جبکہ ہماری مسلح فورسز اندرون ملک عوام سے لڑ رہی ہوں گی۔ کوئی بھی بیرونی طاقت فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ ان حالات میں ہماری فوج بیرونی جارحیت کا مقابلہ کیسے کر سکے گی مجھے تو ان حالات میں پاکستان کی تباہی، بربادی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

بی بی سی :۔ صدر ضیاء الحق نے ۱۷ نومبر کو الیکشن کرانے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس پر آپ کا کیا ردِ عمل ہے۔

مختار رانا :۔ عام انتخابات کا اعلان ایسے وقت میں صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے شور میں بھٹو کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ اس طرح اس کی پارٹی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ مگر دیوانوں کی راہ اس شور میں بھی دب نہ سکی۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انتخابات مقررہ وقت پر نہیں ہو سکیں گے۔ اگر حکومتِ وقت انتخابات کرتی ہے۔ تو اس سے پہلے پیپلز پارٹی کو مکمل طور پر تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اقتدار میں شریک سیاستدانوں کے مقاصد پورے ہو سکیں۔

بی بی سی :۔ کیا بھٹو کی موت کے بعد پاکستان کی خارجہ پالیسی بھی متاثر ہوگی۔

مختار رانا :۔ بالکل متاثر ہوگی۔ پاکستان کی دوستوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ ان حالات کو سنبھالنے کے لئے منتخب حکومت کی ضرورت ہے۔ اس وقت بے یقینی کی کیفیت ہے۔ اور بڑی طاقتوں کو پاکستان میں دلچسپی بھی کسی سے مخفی نہیں۔ ہمسایہ ممالک سے بھی ہمارے ایسے تعلقات نہیں جنہیں مثالی کہا جا سکے افسوس

پاکستان کے دوستوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے

تو اس بات کا ہے کہ بھٹو کو پھانسی دینے کی غلطی کی سزا پوری قوم کو بھگتنا ہوگی۔ جو پہلے ہی کافی سزا پا چکی ہے بھٹو کو پھانسی دینا موجودہ حکمرانوں کو بہت مہنگا پڑا ہے۔ اس کے اثرات انتہائی تباہ کن ہوں گے۔ کاش اب بھی حکمرانِ وقت حالات کی نزاکت کو بھانپ لیں ورنہ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

وفاقی وزیرِ تجارت
میاں زاہد سرفراز کہتے ہیں

اسی پروگرام میں بی بی سی کے وقار احمد کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے وفاقی وزیرِ تجارت میاں زاہد سرفراز کیا کہتے ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

سوال :۔ بی بی سی :۔ بھٹو کی سزا پر پاکستانی عوام کے ردِ عمل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب :۔ جو لوگ پھانسی کی سزا پر عملدرآمد کو سیاسی انتقام کا نام دے کر سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ بالکل ناکام ہو گئے۔ اندرون اور بیرون ملک کچھ لوگوں نے بھٹو سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے یہ ایک قدرتی جذبہ ہے کسی بھی شخص کی موت پر ہر آدمی کو دکھ ہوتا ہے۔ مگر مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ لوگ اپنے عزائم میں بری طرح ناکام ہوئے جو اسے سیاسی اسٹنٹ بنانا چاہتے تھے۔ یہ معمولی ردِ عمل تھا جس کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

سوال :۔ آپ کے نزدیک اس سزا کے بعد پاکستان کی سیاست کیا رخ اختیار کرے گی۔

جواب :۔ مسٹر بھٹو کی آمرانہ حکومت کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک ریفرنڈم کی حیثیت رکھتی تھی جس میں تمام طبقوں کے افراد شریک تھے۔ لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے۔ اس لئے اس امر میں کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ اہلِ پاکستان ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ اور جمہوری عمل جاری رکھنے کے حق میں ہیں۔ ۱۷ نومبر کے الیکشن میں یہ بات واضح ہو جائے گی مجھے کامل یقین ہے کہ آئندہ الیکشن میں اسلامی قوتوں کو فتح نصیب ہوگی اور شر پسندوں کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑے گا۔

سوال :۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ بھٹو کی سزا کے نتیجہ میں پاکستان کے خارجی تعلقات مستحکم نہیں رہیں گے آپ اس بارہ میں کیا کہتے ہیں۔

جواب :۔ یہ خیال محض خام خیالی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے ممالک نے بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپیلیں کیں۔ مگر کسی بھی ملک نے سیاسی دباؤ نہیں ڈالا۔ بلکہ سب اپیلوں سے یہ بات عیاں تھی کہ وہ صرف انسانی ہمدردی کے پیش نظر ایسا کر رہے ہیں اور ان اپیلوں کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ سمجھا جائے۔ بیرونی ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ بالخصوص اسلامی دنیا سے ہمارے برادرانہ تعلقات میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس نوعیت کے خدشات بے بنیاد ہیں۔ اگر کوئی ملک اسے اپنی عزت کا سوال بناتا ہے۔ تو ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ ہم کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی ملک کو اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت کی اجازت دیں گے۔

جو رہی خودی تو شاہی
نہ رہی تو روسیاہی

اس عظیم قائد کے حالات زندگی

جو بہادروں کی طرح تختۂ دار پر چڑھ گیا

جناب بھٹو کے جد امجد تین سو سال قبل ہجرت کر کے یہاں آئے

سابق وزیر اعظم بھٹو سر شاہنواز بھٹو کے بیٹے تھے۔ سر شاہنواز بھٹو ۸ مارچ ۱۸۸۸ء کو گڑھی خدا بخش میں پیدا ہوئے ان کے جد امجد کوئی تین سو سال قبل ضلع حصار کے ایک گاؤں "بھٹو" یا "بھٹ" سے ہجرت کر کے سندھ آئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ ان کا نام سائیں خان سٹھی خان تھا۔ سر شاہنواز بھٹو کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ خان تھا وہ ۱۹۲۰ء میں پہلی بار لاڑکانہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور اسی سے اگلے سال بمبئی کی صوبائی اسمبلی کے رکن چنے گئے وہ چودہ سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۱۹ء میں انہیں او۔ بی۔ ای (آرڈر آف برٹش ایمپائر) کا خطاب ملا ۱۹۲۱ء میں انہیں خان بہادر کا خطاب دیا گیا ۱۹۲۵ء میں وہ سی آئی ای کے خطاب سے بہرہ ور ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں انہیں سر کا خطاب دیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو ۵ جنوری ۱۹۲۸ء کو لاڑکانہ میں حویلی المرتضیٰ میں پیدا ہوئے ان کی والدہ کا نام لیڈی خورشید تھا۔ انہوں نے تعلیم کی ابتدا جامع سپلا کانونٹ سے کی تاہم بعد میں انہیں بمبئی کے کیتھیڈرل سکول میں داخل کیا گیا۔ سکول میں وہ ایک محنتی اور ذہین طالب علم شمار ہوتے تھے اور تعلیم کے مکمل کرنے کے بعد انہیں کیلیفورنیا یونیورسٹی میں داخل کیا گیا۔ جو لاس اینجلز میں ہے ۱۹۵۰ء میں انہوں نے اس یونیورسٹی میں تعلیم شروع کی اس سے اگلے سال وہ یونیورسٹی کے برکلے شعبہ میں چلے گئے یہاں سے انہوں نے پولیٹیکل سائنس میں ڈگری حاصل کی انہوں نے انٹرنیشنل لا میں بھی ڈگری لی اس کے بعد وہ لندن چلے گئے جہاں انہوں نے آکسفورڈ میں داخلہ لیا اور قانون میں ایم اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۵۲ء میں وہ ایم اے آنرز (قانون) کر چکے تھے اس کے بعد وہ قانون کی مشہور عالم درسگاہ "لنکنز ان" میں داخل ہوئے اور بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اس کے بعد وہ ساؤتھ ایمپٹن کی انٹرنیشنل لا یونیورسٹی میں لیکچرر ہو گئے انہی دنوں انہیں اپنے والد کی شدید علالت کی اطلاع موصول ہوئی اور وہ جلد ہی وطن واپس لوٹ آئے وہ ۱۹۵۲ء میں لاڑکانہ پہنچے اور والد کی صحت یابی کے بعد ۱۹۵۳ء میں کراچی چلے گئے اور یہاں وکالت شروع کر دی اس کے ساتھ ہی انہیں سندھ لا کالج میں "آئینی قوانین" کا استاد مقرر کر دیا گیا وہ سندھ ہائی کورٹ میں مقدمے لڑتے رہے اور ان کے ایک سوانح نگار پیلو مودی کا

بھٹو ۱۹۷۲ء میں پیکنگ میں آنجہانی چواین لائی کے ساتھ

ایوب خان نے جناب بھٹو کو سیاست سے نکال باہر کرنے کا پروگرام بنایا تھا

بیان ہے کہ ان دنوں بھٹو نے قتل کے مقدمات میں جتنی بھی اپیلیں حریفوں کی طرف سے دائر کیں وہ سب منظور کر لی گئیں۔ انہوں نے قانونی موشگافیوں کے ذریعے اپنے مؤکلوں کو رہا کرایا۔ ۱۹۵۶ء میں بھٹو نے سندھ مسلم لاء کالج میں بھی پڑھانا شروع کر دیا۔

۱۹۵۷ء میں پہلی بار مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستانی وفد کا رکن بنا کر بھیجا گیا۔ جہاں انہوں نے تقریر بھی کی جسے بڑا پسند کیا گیا مارچ ۱۹۵۸ء میں انہیں دوسری بار پاکستان کا ترجمان بنا کر اقوام متحدہ میں بھیجا گیا جہاں انہوں نے یکے بعد دیگرے پانچ تقریریں کیں جن کا بڑا شہرہ ہوا بھٹو جب پہلی مرتبہ جنرل اسمبلی میں گئے تو حسین شہید سہروردی وزیر اعظم اور اسکندر مرزا صدر پاکستان تھے۔ اسکندر مرزا کے ان کے خاندان سے پرانے روابط تھے اسکندر مرزا نے اپنے چچا کے گھر میں پرورش پائی تھی جو بمبئی میں انجینئر تھے۔ ان دنوں سر شاہنواز بھٹو بمبئی کے وزیر تھے۔ چنانچہ اسکندر مرزا کے چچا اکثر شاہ نواز کے گھر جاتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کے بھٹو خاندان سے مراسم گہرے ہوتے چلے گئے۔ اسکندر مرزا ہر سال سیر و شکار کے لئے لاڑکانہ جاتے تھے اور المرتضیٰ میں ہی قیام کرتے تھے۔ یہاں ان کے ذوالفقار علی بھٹو سے بھی دوستانہ تعلقات قائم ہوئے ۱۹۵۸ء میں اسکندر مرزا کی تجویز پر ہی ذوالفقار علی بھٹو کا نام قومی اسمبلی کے لئے پاکستانی وفد میں شامل کیا گیا تھا وہ ابھی اقوام متحدہ ہی میں تھے کہ انہیں اپنے والد کے انتقال کی خبر ملی اور انہیں واپس آنا پڑا۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جب ایوب خان برسر اقتدار آئے تو اسکندر مرزا کے ایما پر انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو مرکزی کابینہ میں شامل کر لیا۔ اس وقت بھٹو کی عمر صرف تیس سال تھی۔

بھٹو کی وزارت خارجہ کے دور میں ہی (ستمبر ۱۹۶۵ء) پاکستان اور بھارت کے درمیان سترہ روزہ جنگ ہوئی جو سلامتی کونسل کی مداخلت پر بند ہوئی۔ اس کے بعد روس کے وزیر اعظم نے صدر پاکستان کو ملاقات کی پیشکش کی جو تاشقند میں ہوئی۔ ایوب خان جس وفد کی حیثیت سے تاشقند گئے اس میں وزیر خارجہ بھٹو بھی شامل تھے۔ اس سے قبل بھٹو نے نومبر ۱۹۶۵ء میں روس اور بعض دوسرے سوشلسٹ ملکوں کا دورہ کیا ۲۲ نومبر کو انہوں نے روس کے وزیر اعظم کوسیگن سے ملاقات کی اور ایوب خان اور شاستری کی مجوزہ ملاقات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا جو مسٹر کوسیگن کے ایما پر ہو رہی تھی۔ روس سے واپسی پر بھٹو ایوب خان کے ساتھ برطانیہ اور امریکہ کے دورے پر گئے۔ یہ دورہ دسمبر ۱۹۶۵ء میں ہوا

جنوری ۱۹۶۶ء ایوب خان تاشقند گئے جہاں انہوں نے روسی وزیر اعظم کی موجودگی میں بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری سے بات چیت کی۔

۱۰ جنوری کو معاہدہ تاشقند پر دستخط کئے گئے۔ بھٹو اس معاہدہ سے ناخوش تھے اگرچہ شروع میں انہوں نے وزیر خارجہ کے طور پر اس معاہدہ کی حمایت میں بیان بھی دیا اور ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں اس معاہدہ کی حمایت میں ایک طویل تقریر کی۔ مگر حالات سے ظاہر ہوتا تھا کہ بھٹو اس معاہدہ کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد بھی گو مسٹر بھٹو کابینہ میں شامل رہے تاہم اب انہیں ایوب خان کے نفس ناطقہ کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ اسی دوران میں انہوں نے ایوب خان کی مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۷ جون ۶۶ء کو ایوب خان نے بھٹو کو طویل رخصت پر بھیج دیا۔ اس سلسلے میں جو سرکاری اعلان جاری ہوا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ مسٹر بھٹو نے علاج معالجہ کے لئے طویل رخصت لی ہے۔ ۱۸ جولائی کو سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا کہ بھٹو رخصت ہونے کے ساتھ ہی وزارت کے منصب سے سبکدوش تصور ہوں گے۔ بھٹو وزارت سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے ملک کا سیاسی دورہ شروع کر دیا۔

۱۷ ستمبر ۱۹۶۷ء کو انہوں نے پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ پارٹی بنانے کا اعلان انہوں نے حیدر میں میر رسول بخش تالپور کی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس میں کیا اس کے بعد انہوں نے پارٹی کا منشور تیار کرنے کے ساتھ ساتھ ملک بھر کا دورہ بھی کیا۔ ۳۰ نومبر ۶۷ء کو لاہور میں پارٹی کا پہلا کنونشن ہوا اس میں چھ سو مندوبین شریک تھے۔ جن کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔ ۱۳ نومبر ۶۸ء کو بھٹو کو لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کی کوٹھی سے ڈیفنس آف پاکستان کے رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۷ فروری ۶۹ء کو بھٹو نے عدالت میں اعلان کیا کہ ہنگامی حالت ختم

صدر داؤد اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر جناب بھٹو کے ہمراہ گارڈ آف آنر کا معائنہ کر رہے ہیں

کرنے کے لئے جیل میں بھوک ہڑتال رکھیں گے۔ ۱۱ فروری کو لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس مشتاق حسین نے ان کی نظر بندی کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ان کی رہائی کا حکم دیدیا۔

۱۷ فروری ۱۹۶۹ء کو ایوب خان کی حکومت نے ہنگامی حالت ختم کر دی اور سیاسی نظر بندوں کو رہا کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سیاست دانوں کی گول میز کانفرنس بلائی گئی۔ بھٹو نے اس گول میز کانفرنس کی مخالفت کی اور اس میں شرکت کی دعوت رد کر دی۔ وہ ۲۳ فروری کو ڈھاکہ پہنچے تاکہ اپنے موقف کے حق میں مشرقی پاکستان کے لیڈروں کو ہموار کر سکیں۔ اپنی تقریروں اور پریس کانفرنسوں میں بھٹو نے مجیب الرحمٰن کو نہایت اہم شخص قرار دیا اور ان کے خلاف اگرتلہ سازش کیس واپس لے کر انہیں رہا کرنے پر اصرار کیا۔ انہوں نے مجیب الرحمٰن اور مولانا بھاشانی سے ملاقاتیں بھی کیں۔ وہ ڈھاکہ سے ۲۴ فروری کو واپس لاہور پہنچے۔ اسی طیارہ میں شیخ مجیب الرحمٰن بھی لاہور آئے تھے تاکہ ایوب خان کی گول میز کانفرنس میں شریک ہو سکیں جو ۲۶ فروری کو راولپنڈی میں شروع ہوئی مگر بھٹو اس میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے اسی روز شام کو لیاقت باغ راولپنڈی میں جلسہ عام سے خطاب کیا اور اسے گول میز کانفرنس قرار دیا۔

گول میز کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی اور بالآخر ۲۵ مارچ ۶۹ء کو ایوب خان نے اقتدار مسلح افواج کے سپرد کر دیا۔ کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت مقرر ہو گئے۔ انہوں نے جلسوں جلوسوں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی۔ چنانچہ بھٹو نے رابطہ عوام مہم شروع کی اور مختلف شہروں میں جا کر عوام سے ملنے لگے۔ بلاشبہ ان سے ملنے کے لئے آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ۱۹ اپریل کو انہوں نے ہالہ میں پارٹی کی کانفرنس منعقد کی۔ اس کے بعد وہ ملک کے مختلف حصوں میں آتے جاتے رہے۔ مارشل لاء کے تحت محدود جلسوں اور پارٹی کارکنوں کے اجلاسوں کی اجازت تھی۔ اس کا بھٹو نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی مہم جاری رکھی جو ایک طرح سے انتخابی مہم تھی۔ اس مہم کا انہیں فائدہ پہنچا اور جب دسمبر ۱۹۷۰ء میں انتخابات ہوئے تو ان کی جماعت مغربی پاکستان کی سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری

ان دنوں بھٹو کی خطابت کا سارا زور ون یونٹ کے خلاف، اعلان تاشقند کی مذمت اور بقول ان کے ۲۰ استحصالی طبقوں کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا۔ انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن سے بھی ملاقاتیں کیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ صاحب کا تعاون اپنی شرائط پر حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

۵ ستمبر ۱۹۶۹ء میں بھٹو غیر ملکی دورہ پر چلے گئے۔ وہ ڈیڑھ ماہ ملک سے باہر رہے۔ وہ قاہرہ، لندن، بیروت اور تہران بھی گئے۔ انہوں نے دوران چوہدری محمد علی اور دوسرے پاکستانی لیڈروں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ نومبر میں وہ وطن واپس اور رابطہ عوام کی مہم میں شریک ہو گئے۔ اسی دوران میں جہاں انہوں نے روٹی کپڑا اور مکان کا وعدہ کیا وہاں وہ یہ بات بھی کہتے رہے کہ موجودہ دستوری بحران کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس ملک کے مشرقی اور مغربی حصے کس طرح پوری ایمانداری اور ہم آہنگی کے ساتھ یکجا رہیں اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ "دونوں بازوؤں" کو اقتدار میں موزوں اور مناسب حصہ ملے۔ گویا بھٹو حالات سے بھانپ گئے تھے کہ ان کی پارٹی پورے ملک میں انتخابات جیت کر برسر اقتدار نہیں آ سکتی۔ اور انہوں نے انتخابات کے ایک سال پہلے "دونوں حصوں" کو اقتدار میں موزوں حصہ دینے کا نعرہ لگوا دیا۔ انہوں نے یہ بات کھل کر ۳۰ نومبر ۶۹ء کو ملتان بار سے خطاب کرتے ہوئے کہی تھی یہی بات انہوں نے انتخابات کے بعد مجیب سے کہی جس کی بنا پر مجیب سے ان کا سمجھوتہ نہ ہو سکا

نومبر ۶۹ء کے آخر میں یحییٰ خان نے ون یونٹ توڑنے کا اعلان کر دیا۔ بھٹو جنہیں علم تھا کہ یحییٰ یہ کرنے والا ہے۔ کئی ماہ سے ون یونٹ کے خلاف مہم چلا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنی عظیم کامیابی سے تعبیر کیا۔ یحییٰ خان نے آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کا مطالبہ بھی تسلیم کیا۔ اور انتخابی مہم چلانے کی اجازت دی۔ بھٹو نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز ۴ جنوری کو نشتر پارک کراچی میں جلسہ عام سے کیا۔ انتخابی مہم ایک سال تک چلتی رہی۔ بھٹو نے تمام بڑے شہروں میں عام جلسوں سے خطاب کیا۔ ان کے روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے نے خوب کام کیا اور لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اپنی انتخابی مہم میں بھٹو نے "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کے نعرے کو بڑی اہمیت دی اور اس کے لئے حضرت قائد اعظم کی ایک تقریر کو حوالہ قرار دیا اور کہا کہ بابائے قوم پاکستان میں اسلامی سوشلزم قائم کرنا چاہتے تھے۔

۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو قومی اسمبلی کے اور ۱۷ دسمبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں ۸۱ نشستیں حاصل کر لیں اسے یہ نشستیں سندھ اور پنجاب سے ملیں۔ سرحد میں صرف ایک نشست ملی اور بلوچستان میں وہ کوئی نشست حاصل نہ کر سکی۔ پھر بھی وہ مغربی پاکستان کی سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری۔ مشرقی پاکستان سے بھی اسے کوئی نشست نہ ملی۔ بھٹو نے ملتان، لاہور، ڈیرہ اسماعیل خان، ٹھٹھہ، لاڑکانہ اور حیدر آباد چھ مقامات سے انتخاب لڑا اور ڈیرہ اسماعیل کے سوا ہر جگہ کامیاب رہے۔ مغربی پاکستان میں قومی اسمبلی کی کل ۱۳۸ نشستیں تھیں۔ صرف ۵۷ نشستیں دیگر تمام جماعتیں حاصل کر سکیں۔ مگر مشرقی پاکستان کی ۱۶۲ نشستوں میں

بھٹو نے انتخابی مہم میں استحصالی طبقہ کے خلاف بھرپور نعرہ لگایا

چین کے دورے پر پیکنگ کے ہوائی اڈے پر آنجہانی چواین لائی اور جناب بھٹو

سے ۱۶۰ پر عوامی لیگ کامیاب ہوئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن دو نشستوں پر کامیاب ہوئے۔ عوامی لیگ امیدوار کو شکست دینے والے واحد امیدوار نورالامین تھے۔

۱۷ دسمبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ پیپلز پارٹی کو پنجاب میں ۱۱۳ اور سندھ میں ۳۲ نشستیں ملیں ان دونوں صوبوں میں پیپلز پارٹی نہایت آسانی سے حکومت بنانے کی اہل تھی۔ ۳ جنوری کو انہوں نے اسمبلی ہال کے سامنے جلوس سے خطاب کیا۔ انہوں نے حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہر اس کوشش کی مخالفت کریں گے جو ہمیں حزب اختلاف میں رکھنے کے لئے کی جائے گی۔ قبل ازیں کراچی سے لاہور آتے ہوئے ساہیوال کے ریلوے سٹیشن پر وہ اعلان کر چکے تھے کہ اگر شیخ مجیب الرحمٰن چھ نکات پر جمے رہے تو ہم بھی اپنے اصولوں سے انحراف نہیں کریں گے۔ گویا قومی اسمبلی میں دوسری بڑی پارٹی کا قائد اکثریتی پارٹی کے قائد کو للکار رہا تھا۔ اس کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا یعنی اختلاف اور افتراق۔ انتخابات کے بعد بھٹو نے مغربی پاکستان کے ترجمان کا کردار سنبھال لیا اور وہ مجیب الرحمٰن کو صرف مشرقی پاکستان کا نمائندہ قرار دینے لگے کیونکہ ان کی جماعت نے مغربی پاکستان میں کوئی نشست نہیں جیتی تھی۔ اور یہیں سے پاکستان کی بدقسمتی کا آغاز ہوا۔ بھٹو اور ان کے رفقاء نے شیخ مجیب کے رفیق تاج الدین احمد کے اس بیان کو سو فیصد جھوٹ گردانا کہ قومی اسمبلی میں ہماری پارٹی کو اکثریت حاصل ہے اور ہم اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے مرکز میں حکومت بنانے کا حق رکھتے ہیں۔

۱۷ جنوری ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان لاڑکانہ گئے اور بھٹو سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات تخلیہ میں ہوئی اس لئے کسی ریکارڈ کے حوالے سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے قبل یحییٰ خان ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمٰن سے مل چکے تھے اور انہوں نے ڈھاکہ کو روانگی سے قبل یہ بات واضح کردی تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن ملک کے آئندہ وزیراعظم ہوں گے۔

بھٹو ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء کی شام کو شیخ مجیب الرحمٰن کے گھر پہنچے جو دھان منڈی ڈھاکہ واقع تھا۔ وہاں مجیب سے ان کی ۹۵ منٹ تک ملاقات ہوئی۔ ۲۸ جنوری کو دوبارہ ملاقات ہوئی۔ اس مرتبہ شیخ مجیب الرحمٰن بھٹو سے ملنے ہوٹل میں آئے۔ ستر منٹ تک دونوں نے خفیہ بات چیت کی۔ جیسا کہ بعد کے حالات سے ظاہر ہے۔ ان ملاقاتوں کا کوئی خوش کن نتیجہ سامنے نہ آیا۔ غالباً بھٹو صاحب اقتدار میں حصہ داری اور شیخ مجیب اپنی مرضی سے سارا کام کرنے کے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ دونوں ہی اپنے اپنے موقف کو جمہوریت پر مبنی ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ تیسرے دن پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے عہدیداروں میں بات چیت ہوئی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ پیپلز پارٹی والے اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ اور عوامی لیگ خود کو ملک کے اکثریتی نمائندے سمجھ کر بات کر رہے تھے۔ اسی روز کشتی میں دوپہر کے کھانے کے دوران بھٹو اور مجیب میں مزید بات چیت ہوئی۔ ڈھاکہ سے روانگی پر بھٹو کا تبصرہ یہ تھا کہ میں لاہور واپس جاتے وقت ناامید نہیں ہوں تاہم امید کے چراغ بھی میرے چاروں طرف روشن نہیں ہیں۔ اس سے آپ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہم کسی مفاہمت پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے کسی مسودے پر دستخط کر دیئے ہیں۔

اسی دوران میں یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جو ۳ مارچ کو منعقد ہونا تھا۔ مگر بھٹو نے ۱۵ فروری کو اعلان کر دیا کہ ہم پہلے سے مفاہمت کے بغیر اس اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے۔ بالآخر ۲۸ فروری کو انہوں نے لاہور میں مینار پاکستان کے قریب ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا پیپلز پارٹی کے ارکان ڈھاکہ نہیں جائیں گے۔ انہوں نے دوسرے ارکان کو مشورہ دیا کہ وہ صرف ایک طرف کا ٹکٹ خرید کر ڈھاکہ جائیں۔ انہوں نے یہ دھمکی بھی دی کہ جو رکن ڈھاکہ جائے گا۔ اس سے عوام انتقام لیں گے اگر عوام نہیں لیں گے تو پیپلز پارٹی انتقام لے گی۔ انہوں نے تحریک چلانے کی بھی دھمکی اور مجیب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ادھر تم، ادھر ہم" یہی وہ تقریر ہے جس کے بارے میں انہوں نے سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت کے دوران کہا تھا کہ ان کے اس جملے کو غلط طور پر پیش کیا گیا۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ پاکستان کو مضبوط بنائیں گے "ادھر تم ادھر ہم" ان کی اس دھمکی کے بعد یحییٰ خان نے یکم مارچ کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کئے جانے کا اعلان کر دیا۔

قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہونے کے بعد مشرقی پاکستان میں ہنگامے شروع ہو گئے ہڑتالیں ہوئیں اور اسی افراتفری نے بڑھ کر علیحدگی پسندی کی زبردست تحریک کا روپ دھار لیا۔ لوٹ مار ہوئی آگ لگائی گئی ادھر بھٹو نے مغربی پاکستان میں اپنی مہم جاری رکھی اور اسمبلی کے اجلاس کے التواء اور اس بارے میں اپنے موقف کی زور و شور سے حمایت کرتے رہے۔ ۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء کو بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں یہ عجیب مطالبہ پیش کیا کہ اقتدار مشرقی اور مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹیوں کے سپرد کیا جائے۔ بھٹو کا خیال تھا کہ اگر اقتدار میں انہیں شریک نہ کیا گیا تو وہ عوام سے کئے گئے وعدے

جناب بھٹو اور شہزادہ سہانوک لاہور کے ہوائی اڈے پر

۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو جناب بھٹو نے کہا پیپلز پارٹی کے ارکان ڈھاکہ نہیں جائینگے

پورے کر سکیں گے۔

مارچ ۱۹۷۱ء کے آغاز میں بھٹو ایک بار پھر ڈھاکہ گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے بھٹو کی آمد کی خبر سن کر کہا کہ میں بھٹو کے ساتھ کھلے دل سے بات چیت کرنے کو تیار ہوں۔ ان دنوں یحییٰ خان بھی ڈھاکہ میں تھے۔ شیخ مجیب الرحمٰن یحییٰ خان سے ملنے گئے ان کی سفید کار پر سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یحییٰ خان کی شیخ مجیب کی تین گھنٹے تک تنہائی میں بات چیت ہوئی۔ اس روز (۱۶ مارچ) مشرقی پاکستان میں مرکزی حکومت سے عدم تعاون کا پندرھواں دن تھا اور تمام سرکاری و غیر سرکاری ادارے شیخ مجیب کے حکم پر چل رہے تھے۔ دوسرے دن بھی صدر یحییٰ خان اور مجیب میں بات چیت ہوئی۔ ۱۹ مارچ کو یحییٰ نے بھٹو کو ڈھاکہ طلب کیا اور وہ ۲۱ مارچ کو ڈھاکہ پہنچے۔ ۲۲ مارچ کو ان کی یحییٰ خان سے ملاقات ہوئی کسی ملاقات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور ۲۵ مارچ سے مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن شروع ہو گیا۔ بھٹو واپس آئے اور انہوں نے کراچی کے ہوائی اڈے پر کہا: "خدا کا شکر ہے پاکستان بچا لیا گیا"۔ لیکن اس کے بعد مشرقی پاکستان کی صورت حال بد سے بدتر ہوتی گئی۔

۵ نومبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو چین کے دورے پر گئے انہوں نے جنرل یحییٰ خان کے ایما پر یہ دورہ ایک سرکاری وفد کے سربراہ کی حیثیت سے کیا۔ جہاں پر چو این لائی اور دوسرے چینی رہنماؤں سے ان کی بات چیت ہوئی ۸ نومبر کو واپس اسلام آباد آ گئے اور بتایا کہ ان کا دورہ مکمل کامیاب رہا ہے۔ ۱۰ نومبر کو وہ بذریعہ ٹرین لاہور پہنچے۔ جہاں ان کا جلوس نکالا گیا، ریگل چوک میں انہوں نے ایک ٹرک سے جس میں وہ سوار تھے اس جلوس سے خطاب کیا۔ انہوں نے یہاں اپنے چین کے دورے اور بھارت سے متوقع جنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہم نے تو سب کر جانا ہے۔ لیکن پھر بھی جنگ ہوئی تو "دما دم مست قلندر" اس دما دم مست قلندر کے بعد میں کئی کئی معنی نکالے جاتے رہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بھٹو کا اصل مقصد کیا تھا۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان پر اور مغربی پاکستان پر بھی حملہ کر دیا۔ یحییٰ خان نے ۷ دسمبر کو نور الامین مرحوم کو وزیر اعظم اور بھٹو کو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مقرر کیا۔ ۸ دسمبر کو بھٹو کابل کے راستے نیویارک روانہ ہوئے تاکہ سلامتی کونسل میں اپنے ملک کا موقف پیش کر سکیں وہ ۱۰ دسمبر کو نیویارک پہنچے اور ۱۲ دسمبر کو سلامتی کونسل سے خطاب کیا۔ اس خطاب کے وقت ہی انہوں نے پولینڈ کی وہ قرارداد پھاڑ دی جس میں پاکستان اور بھارت کو جنگ بندی کے لیے کہا گیا تھا۔ ۱۶ دسمبر کو سقوط ڈھاکہ عمل میں آیا اور ۱۷ دسمبر کو مغربی محاذ پر بھی جنگ بند ہو گئی۔

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو نیویارک سے واپس وطن پہنچے اسی روز صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ مشرقی پاکستان جدا ہو چکا تھا نوے ہزار فوجی اور دوسرے افراد دشمن کی قید میں جا چکے تھے۔ اب صرف مغربی پاکستان باقی تھا۔ بھٹو نے اسی خطے کے صدر کے طور پر حلف اٹھایا۔ وہ تاریخ میں پہلے شخص تھے جو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔ ۲۴ دسمبر کو انہوں نے اپنی کابینہ کا اعلان کیا۔ ۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو انہوں نے صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کر دیا۔ جنوری میں ہی انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر کے بنگلہ دیش بھجوا دیا۔ فروری ۱۹۷۲ء میں چین کے دورے پر گئے۔ ۱۰ فروری کو نئی لیبر پالیسی کا اعلان کیا گیا۔ یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو زرعی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا اور ۱۵ مارچ کو نئی تعلیمی پالیسی نافذ کی۔ ۱۰ اپریل کو پولیس کے لیے اصلاحات کا اعلان کیا۔ اور اس سے اگلے روز ہی قانونی اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔

۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا اس میں وہ ارکان شریک ہوئے جو مغربی پاکستان سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ ۲۱ اپریل کو انہوں نے صدر مملکت کے عہدے کا دوبارہ حلف اٹھایا۔ مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن نے جو پاکستان کے چیف جسٹس تھے ان سے حلف لیا۔

۲۸ جون کو بھٹو شملہ گئے اور مسز اندرا گاندھی سے باہمی مسائل پر بات چیت کی۔ ۲ جولائی ۱۹۷۲ء کی رات کو معاہدہ شملہ پر دستخط ہوئے ۳ جولائی کو وہ واپس وطن واپس آ گئے۔ ۲۸ نومبر ۱۹۷۳ء کو بھارت کے قیدیوں کو یکطرفہ طور پر رہا کر دیا گیا۔ یکم دسمبر ۱۹۷۳ء کو پاکستان کے جنگی قیدیوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں پاکستان کا نیا آئین تیار کیا گیا۔ جو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو نافذ العمل ہوا۔

۲۲ فروری ۱۹۷۴ء کو لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس ہوئی جس میں بھٹو کو کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس موقعہ پر ہی بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔ اس کانفرنس میں شاہ فیصل، صدر سادات، صدر قذافی، صدر حافظ اسد، یاسر عرفات، مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی مرحوم، شیخ مجیب الرحمٰن، عدی امین اور مسلم ممالک کے دوسرے سربراہ، وزراء اعظم شریک ہوئے۔ ان رہنماؤں نے جمعہ کی نماز بادشاہی مسجد میں ادا کی۔

بھٹو نے اگست ۱۹۷۳ء میں نئے آئین کے نفاذ کے بعد وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔

پھر ۱۹۷۷ء میں انہوں نے عام انتخابات کروائے جس کے نتیجے میں جلسے شروع ہو گئے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق نے انہیں سبکدوش کر کے اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے خود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھال لیا۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں جناب بھٹو کو قتل کی ایک سازش کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ ہائیکورٹ لاہور نے انہیں پھانسی کی سزا سنائی۔ سپریم کورٹ نے سزا بحال رکھی اور بعد میں نظرثانی کی اپیل بھی مسترد کر دی اور پھر ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو انہیں فوری اطلاع دیئے بغیر اور نماز کا وقت دیئے بغیر صبح دو بجے راولپنڈی میں پھانسی دے دی گئی۔ آجکل وہ اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہیں۔

اسلام آباد پہنچنے پر ترکی کے صدر کو پھولوں کے گلدستے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اِٹ کھڑکا

انور جاوید ڈوگر

یہاں تو بات کرنے کو . . . .

پاکستان قومی اتحاد نے بھٹو کے خلاف جو تحریک چلائی تھی۔ اس میں آزادیٔ صحافت کا نعرہ بھی تھا۔ کہ [illegible] خدا خدا کر کے وہ اور یہ لوگ اقتدار میں آ گئے۔ جماعت اسلامی کے وفاقی وزیر اطلاعات نے جا بجا یہ اعلان بھی کیا۔ کہ پریس آرڈیننس ختم کر دیا جائیگا۔ پریس ٹرسٹ توڑ دیا جائے گا۔ ذرائع ابلاغ آزاد کر دیے جائیں گے۔ ان کے یہ اعلانات بے وفا محبوب کے وعدے ثابت ہوئے آج بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو پہلے ہوتا تھا۔ کل بھی قلم بند تھا آج بھی بند ہے۔ کل بھی زبان بند تھی آج بھی زبان بند ہے کل بھی ضمیر پر پہرے تھے۔ آج بھی چھپنے کی اجازت نہیں کل بھی انصاف کے دروازے بند تھے۔ آج بھی حصول انصاف کے لیے مقبرہ کی زیارت ضروری ہے۔ گویا۔

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں جینے کی پابندی وہاں مرنے کی پابندی

میں یہ باتیں لکھتے ہوئے فضا میں "پھریری" نہیں اڑا رہا۔ بلکہ حقائق کی بات کر رہا ہوں۔ حقائق کے اس آئینہ میں جب وزیر اطلاعات اپنی تصویر دیکھیں گے تو خود انہیں بھی شرم آ جائے گی۔ تو آئینہ دیکھیے

اسلام آباد [illegible] کے صدر او۔ رشید واسنیا آغا نے [illegible] کہا ہے کہ اسلام آباد سے واحد انگریزی کا اخبار "مسلم" کی اشاعت کی اجازت طویل عرصہ کے انتظار کے بعد اب تک نہ ملنے پر ہم اپنے ادارے کے دو سو کارکنوں کو ملازمتوں سے برطرفی کے نوٹس جاری کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ فیصلہ ہمیں افسوس کے ساتھ کرنا پڑا ہے کیونکہ حکومت کے ساتھ ۹۰ دن تک مذاکرات اور یقین دہانیوں کے باوجود ابھی تک ہمیں "مسلم" کی اشاعت کی اجازت نہیں دی گئی۔

قینچی

انہوں نے کہا کہ ہمیں "مسلم" کا ڈیکلریشن وسط اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ملا تھا۔ اور اس سال جنوری سے ہم نے اس کی "ڈمی" شروع کر دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہمارے پاس پاکستان بھر میں بہترین ٹیم ہے۔ پریس کانفرنس میں پی ایف یو جے اور اپنک کے صدر منہاج برنا اور اخبار مسلم کے ایڈیٹر جناب اے ٹی چوہدری بھی موجود تھے۔

روزنامہ مساوات ۰ اپریل

الفتح مطبوعات کے [illegible] نے رسالہ چھاپنے سے انکار کر دیا ہے [illegible]

الفتح مطبوعات کے دفاتر اور چیف ایڈیٹر جناب ارشاد راؤ کے گھر پر پولیس نے دو بار چھاپہ مارا۔ اس بات کا اعلان کرتے ہوئے "الفتح" مطبوعات کے ایڈیٹر مسٹر وہاب صدیقی نے ایک اخباری بیان میں بتایا کہ پولیس جناب ارشاد راؤ کے مکان پر پہلی مرتبہ بارہ بجے اور دوسری مرتبہ چار بجے رات پہنچی اور خواتین کے منع کرنے کے باوجود گھر میں زبردستی داخل ہو گئی۔ جب گھر والوں نے ان سے وارنٹ دکھانے کو کہا تو ایک پولیس افسر نے دور سے ایک کاغذ دکھایا۔ لیکن انہوں نے اسے پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

انہوں نے کہا کہ پولیس نے اس رات "الفتح" مطبوعات کے دفاتر پر بھی چھاپہ مارا۔ اس وقت دفتر سے متعلقہ کوئی فرد وہاں موجود نہیں تھا۔ اور دروازہ بند تھا چنانچہ پولیس چھت پر چڑھ گئی۔ اور سیڑھیوں سے اتر کر دفتر میں داخل ہو گئی۔ جو سراسر غیر قانونی کارروائی ہے مسٹر وہاب صدیقی نے بتایا کہ "الفتح" مطبوعات کا ادارہ اپنے اصولوں پر ثابت قدم رہے گا اور حکام کے ان ہتھکنڈوں سے ہرگز مرعوب نہیں ہو گا۔

(روزنامہ مساوات ۱۰ اپریل)

پی ایف یو جے کے صدر اور اپنک کے چیئرمین جناب منہاج برنا نے اپنے دو الگ الگ بیانات میں ان چند خبروں پر احتجاج کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ ہم اس ضمن میں تحریک چلانے کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے۔

یہ خبریں وزارت اطلاعات کی طرف سے "آزادیٔ صحافت" کے نعرے پر عمل کرنے کی ایک ہلکی سی جھلک ہیں۔ اب ہم وزیر اطلاعات سے یہ پوچھتے ہیں۔ کہ اب کس کی باری ہے۔ کس کس کے اشتہارات بند کرنا ہیں کن کن ایڈیٹروں کو گرفتار کرنا مقصود ہے۔ کہاں کہاں پر چادر اور چار دیواری کے وعدے کی دھجیاں اڑانا ان کی منزل مقصود ہے۔ خدا کے لیے نوشتۂ دیوار پڑھیے کہ جو اسے نہیں پڑھتے مٹ جاتے ہیں۔ ختم ہو جاتے ہیں

صدائے وطن بھی انہی گناہ گاروں میں شامل ہے جو اہل وطن کی بات کرتے ہیں غریبوں کی بات کرتے ہیں۔ حکومت وقت کی کاسہ لیسی نہیں کرتے۔ یہ حکومت کے بہترین مفاد میں ہے کہ اس قسم کی پابندیاں اٹھا لے ورنہ ہم جیسے گناہ گاروں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ اور پھر ہم لوگ بہ بانگ دہل کہیں گے۔

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

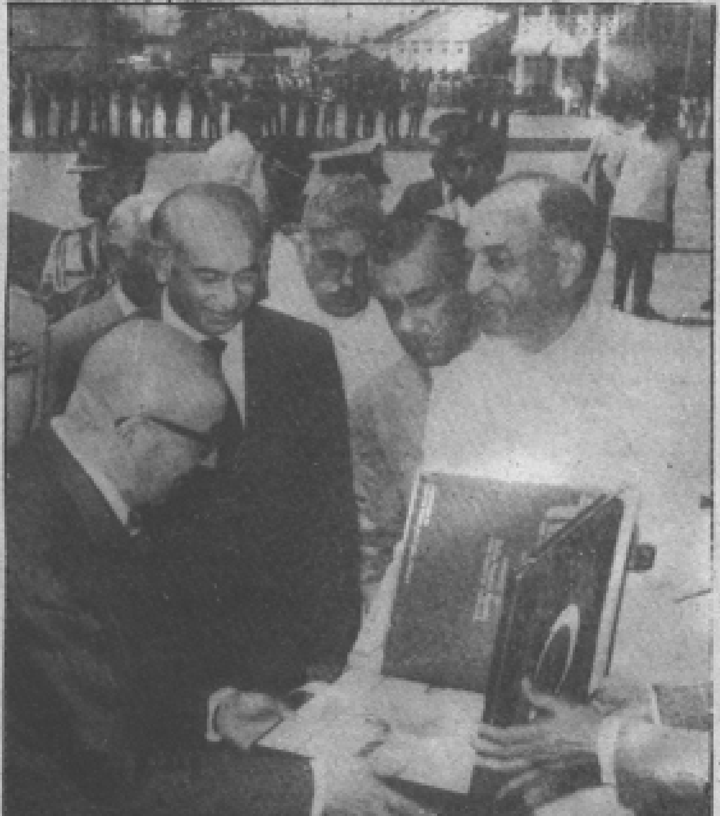

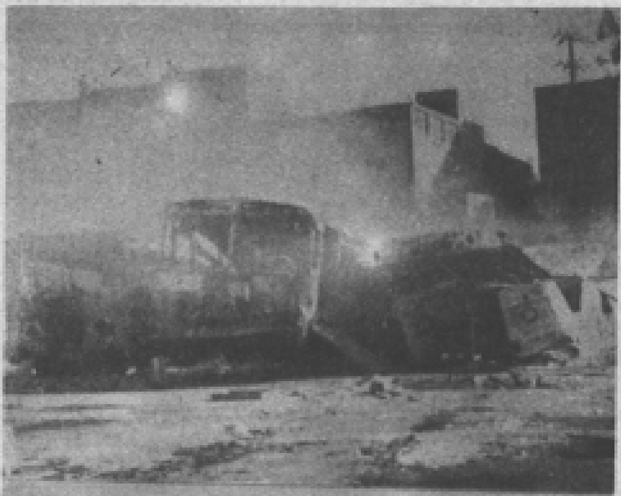

تصاویر:۔ جی اے جاوید پریس فوٹو گرافر

دائیں اوپر:۔ دستگیر کا پٹرول پمپ جل رہا ہے
دائیں نیچے:۔ ایس پی صاحب معائنہ کر رہے ہیں
بائیں اوپر:۔ جی ٹی ایس کی بسیں جو جل گئیں
بائیں نیچے:۔ صحافیوں کو اصل مقامات پر جانے سے روکا جا رہا ہے۔

گوجرانوالہ میں ہونیوالے ہنگاموں کی لمحہ لمحہ کہانی

— شاہد چشتی

۵ اپریل کو پاکستان کے سابق وزیر اعظم اور نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل میں سزائے موت پانے والے بڑے مجرم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد گوجرانوالہ کے واپڈا کلب کی گراؤنڈ میں پیپلز پارٹی کے سینکڑوں کارکنوں نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی اور بعد ازاں ایک احتجاجی جلوس نکالا جو بھٹو شہید —— (حکومت کے خلاف) کل بھی بھٹو زندہ تھا —— آج بھی بھٹو زندہ ہے، بچے بچے —— بھٹو بچے، بھٹو کا پیغام —— اتحاد اتحاد کے نعرے لگاتے ہوئے ایس پی کے آفس کے سامنے سے گزر کر فاروق شہید چوک میں پہنچا تو پولیس نے ہلکا سا لاٹھی چارج کر کے انہیں منتشر کر دیا۔ ۶ اپریل کو اعلان کے مطابق جامع مسجد شیرانوالہ اور شالا (جی ٹی روڈ) میں ہزاروں افراد جمع ہو گئے اور جی ٹی روڈ کو بند کر کے ٹریفک معطل کر دی۔ نماز جمعہ کے بعد غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ابھی دعا بھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ لوگوں نے زبردست نعرے بازی شروع کر دی، جب کہ ریلوے لائن پر کھڑے ہوئے چند افراد نے پولیس پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ مظاہرین نے قومی اتحاد کے رہنما غلام دستگیر خان کے پٹرول پمپ کو آگ لگا دی اور مسجد کے قریب کھڑی ہوئی ایک کار کو بھی نذر آتش کر دیا۔ پٹرول پمپ کے منیجر سعید کے مطابق نماز کی ادائیگی سے قبل پٹرول پمپ کے قریب پولیس کے ہمراہ سٹی مجسٹریٹ بھی موجود تھے جن سے انہوں نے کہا کہ اگر کسی قسم کے خطرے کا اندیشہ ہے تو میں خان صاحب کو ٹیلی فون کر کے حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ افراد بلوا لیتا ہوں، مگر مجسٹریٹ نے جواب دیا خطرہ کی کوئی بات نہیں ہم جو کھڑے ہیں۔ مگر جب نعرے بازی شروع ہوئی تو مظاہرین کے پتھراؤ سے پولیس ملازمین بھی زخمی ہو گئے۔ شیرانوالہ باغ کے قریب ایک ٹرک نمبر ایل یو۔ ۲۱۰۵ افغان پبلک گڈز کو آگ لگا کر زیر حراست افراد کو آزاد کرا لیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سوزوکی وین اور ایک سکوٹر کو بھی نذر آتش کر دیا تو ایک پولیس افسر جیپ میں بیٹھ کر وہاں پہنچا تو اکبری مسجد کے قریب مظاہرین کا پتھراؤ اتنا سخت تھا کہ ہوائی فائرنگ کرنا پڑی۔ گوندلانوالہ چوک کے قریب مظاہرین نے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کے اڈے کو آگ لگا دی جس سے چار بسیں مکمل طور پر تباہ اور پانچ بسوں اور ایک جیپ کے علاوہ پٹرول پمپ، دو بکنگ کیبن، ریکارڈ اور دفتر کو نقصان پہنچانے کے بعد جی ٹی روڈ پر لگے ہوئے سائن بورڈوں کو نقصان پہنچاتے ہوئے ڈاک خانہ کو آگ لگا دی،

بقیہ:۔ صفحہ (۴۰) پر

امریکہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے فارمولے پر عمل پیرا ہے

عربوں کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ تمام دستیاب ہتھیار استعمال کریں

انٹرویو:۔ شاہ حسین

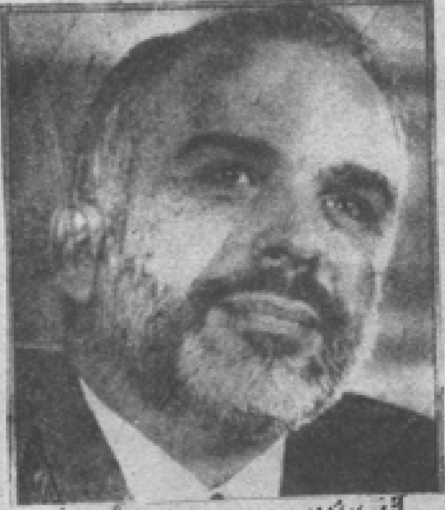

س:۔ امریکہ کے صدر کارٹر اور ان کے خصوصی مشیر برزنسکی نے حال ہی میں مصر اور اسرائیل کا دورہ کرتے ہوئے اپنے بیانوں میں اس امر پر بہت زور دیا تھا کہ مصر اور اسرائیل کے درمیان باہمی امن معاہدہ کا مقصد اصل مقصد کے حصول کی محض ابتدا ہے انجام نہیں اور یہ مقصد مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کا ایک جامع حل تلاش کرنا ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے تمام عرب ملکوں کی طرف سے مصر کے خلاف اقتصادی اور سیاسی پابندیاں عائد کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔

ج:۔ مشرق وسطیٰ کے مسئلے سے نمٹنے کے عربوں کے تجربے کی روشنی میں میرے نزدیک صدر کارٹر کے اقدامات خواہ ان کی نیت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان اقدامات کے ذریعہ مشرق وسطیٰ کے پورے مسئلہ کا جامع اور منصفانہ حل تلاش کرنا ہے جس میں بیت المقدس سے عرب علاقے سمیت اسرائیلی مقبوضہ تمام عرب علاقوں کی واپسی اور فلسطینی عوام کو حق خود ارادیت دلوانے کا مسئلہ بھی شامل ہے چنانچہ مصر کے خلاف پابندیاں عائد کرنے کے متعلق تمام اقدامات عرب لیگ سے مصر کے اخراج اور قاہرہ سے عرب لیگ کے صدر دفاتر کی منتقلی جیسے تمام امور پر تفصیلی بات چیت کرنا ضروری ہے۔

س:۔ اگر اردن، شام، تنظیم آزادی فلسطین اور دریائے اردن کے مغربی مقبوضہ علاقے کے عرب عوام کارٹر کی ایماء پر مصر اسرائیل معاہدے سے خود کو کلیتہ علیحدہ کرلیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ دریائے اردن کے مغربی مقبوضہ علاقے کو اسرائیل نے ہمیشہ کے لیے اپنی مملکت کی حدود میں شامل کرلیا ہے

ج:۔ یہ کہنے کے لیے مجھے معاف کیجئے کہ جن امور کی پیش کش کی گئی ہے وہ درحقیقت ایک بہت بڑے فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ہم تو ۱۹۶۷ء سے آج تک اسرائیل کے "نیک عزائم" کا مزہ چکھتے آئے ہیں۔ آج تک ایسی پیش کشوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا پھر اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ امریکی حکومت کی طرف سے کہا جا رہا ہے اس کا مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں ۲۴۲ اور ۳۳۸ کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے اسرائیل کا مقصد شروع ہی سے مصر کو دوسرے عرب ملکوں سے الگ تھلگ کرنا اور اردن کے مقبوضہ مغربی علاقے پر اپنی گرفت مستحکم کرنا رہا ہے۔ اور اب امریکی حکومت نے اس معاملہ میں جو کچھ کیا ہے اس سے اسرائیل کو اپنے ان مقاصد کے حصول میں مزید مدد اور حمایت ملی ہے یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس نے عرب دنیا کے درمیان اب تک باہمی اتحاد اور رشتوں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور اس پورے علاقے کے استحکام پر کاری ضرب لگائی۔

جب خطرے کی گھنٹی بجتی ہے تو ہر کوئی اپنی حفاظت کا انتظام کرنے کی فکر کرتا ہے

س:۔ پھر اس کی متبادل صورت کیا ہے؟

ج:۔ ہم امریکی حکومت پر واضح کریں گے کہ وہ اپنی پالیسیوں میں ابہام اور غلطیوں پر نظرثانی کرے اور اس سے یہ مطالبہ بھی کریں گے کہ وہ اس پورے مسئلہ کو ایک بار پھر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کرے۔

س:۔ تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات نے مصر کے لیے تیل کی رسد پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے۔ کیا آپ اس کی حمایت کریں گے؟

ج:۔ اس وقت ہمارے سامنے پہلا سوال یہ ہے کہ عرب قوم کے وجود کو برقرار رکھنے اس کے قومی تشخص کا تحفظ کرنے جس کو اس وقت سنگین خطرہ لاحق ہے کی غرض سے تمام فیصلے متفقہ اور مشترکہ طور پر کیے جائیں اور اردن کی حکومت یقیناً ایسے تمام مشترکہ فیصلوں کی پابندی کرے گی۔

س:۔ بعض عرب رہنما یہ کہتے ہیں کہ امریکی حکومت جدید نوآبادیاتی پالیسی پر کاربند ہے اور یہ عربوں کے خلاف امریکی، اسرائیلی اور مصری سازش ہے کو ہر قیمت پر ناکام بنا دیا جائے گا اس قسم کے انقلابی نعروں سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ یاسر عرفات سے ہونے والی بات چیت سے میں پوری طرح مطمئن ہوں۔ ہم نے پوری صورت حال کا انتہائی گہری نقطہ نظر سے جائزہ لیا ہے اور ہر مسئلہ پر ہمارے درمیان مکمل اتفاق ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یاسر عرفات یا دوسرے عرب رہنما اپنے پبلک بیانات میں جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اس کی توثیق کرتا ہوں۔ تاہم ہم نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ عرب ممالک انہیں چیلنج کرنے والے نئے چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے ہر وہ اقدام کریں گے جو انتہائی موثر ہوگا۔

س:۔ کیا آپ کو بعض عرب رہنماؤں کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ مشرق وسطیٰ کے متعلق امریکہ کے صدر کارٹر نے جو تازہ اقدامات کیے ہیں ان کا اصل تعلق خود امریکہ کی داخلی سیاسی ضروریات سے ہے؟

ج:۔ صدر کارٹر کے اقدامات سے مجھے گہری مایوسی ہوئی ہے۔ وہ غلط راہ پر چل رہے ہیں اور وہ بہت جلد خود محسوس کریں گے کہ وہ غلطی پر تھے تاہم مجھے اس کا یقین ہے کہ ان کی نیت اچھی ہے وہ صرف گمراہ ہو رہے ہیں۔

۲۸ اپریل ۱۹۷۷ء

قومی اسمبلی اور

سینٹ کے مشترکہ

اجلاس سے خطاب

میں جانتا ہوں شکاری کتے

میری جان کے درپے ہیں

ایک نادر

اور

تاریخی تقریر

پیپلز پارٹی کے بانی

جناب ذوالفقار علی بھٹو

کی ایک تاریخی تقریر

پاکستان کو پی این اے، اس کے غنڈوں اور

ہاتھیوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا

اسلام آباد۔ ۲۸ اپریل، جناب بھٹو نے آج رات امریکیوں کو بتایا کہ پیپلز پارٹی ختم نہیں ہوتی اور وہ اپنے مشن کو پورا کرنے جا رہے ہیں۔ جناب بھٹو کی تقریر کے دوران وی آئی پی گیلری میں موجود بعض غیر ملکی سفارت کار بڑے بے چین اور پریشان دکھائی دے رہے تھے اور انہیں نشستوں پر قرار نہیں مل رہا تھا۔ جناب بھٹو نے انکشاف کیا کہ ۱۲ اپریل کو امریکی سفارت خانہ کے دو افسر ٹیلی فون پر یہ گفتگو کر رہے تھے "پارٹی گئی، پارٹی چلی گئی، وہ آدمی چلا گیا، مال چلا گیا ہے (یعنی مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کو زوال آگیا ہے) جناب بھٹو نے کہا "جناب عالی پارٹی نہیں گئی اور یہ اس وقت تک نہیں جائے گی جب تک میرا مشن مکمل نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے کہا پاکستان کے عوام میرا مشن مکمل ہوتا دیکھیں گے۔

۲۸ اپریل:۔ جناب بھٹو نے نظام مصطفےٰ کے بارے میں اپنے اعلان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انتخابات سے قبل قومی اتحاد کے سابق جنرل سیکرٹری رفیق احمد باجوہ یہ کہتے رہے کہ اگر جناب بھٹو ملک میں اسلامی شریعت نافذ کر دیں تو قومی اتحاد انتخابات سے دستبردار ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ اعلان اتحاد کی طرف سے سرکاری حیثیت میں کیا تھا اور کہا کہ ہم اقتدار نہیں چاہتے۔ ہم اسلامی شریعت لانا چاہتے ہیں۔ جناب بھٹو نے کہا اگرچہ رفیق باجوہ کو نکال دیا گیا ہے لیکن میرے اسلامی شریعت کے نفاذ کے اعلان کے بعد قومی اتحاد کا کیا مسئلہ رہ گیا ہے۔ میرے اعلان سے تو معاملہ ختم ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

جناب بھٹو نے آج پارلیمنٹ میں ایمرجنسی کے اعلان اور صدارتی حکم پر بحث سمیٹتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ پاکستان میں اس وقت غیر ملکی کرنسی کا سیلاب آیا ہوا ہے اور ماضی میں کرنسی کے ایسے سیلاب کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس حد تک کہ ڈالر کی قیمت سات بلکہ چھ روپے تک ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ روپیہ کن مقاصد کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ یہ روپیہ لوگوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ لوگوں میں یہ روپیہ جلسوں میں شامل ہونے کے لئے دیا جا رہا ہے اور گرفتاریاں پیش کرنے کے لیے بانٹا جا رہا ہے۔ بلکہ ڈاکیوں اور گیس میٹر ریڈروں تک میں یہ روپیہ تقسیم کیا جا رہا ہے کہ گھروں میں جا کر لوگوں کو حکومت سے متنفر کریں، ان کے جذبات کو بھڑکائیں اور انہیں جلسوں میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔ اس کے علاوہ اسی روپیہ کی مدد سے اب مزدور انجمنوں کو بھی ترغیب دی جا رہی ہے۔

جناب بھٹو نے آج پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس

بیرون ملک سے اتحاد کو

زبردست مالی امداد فراہم کی جا رہی ہے

میں ہنگامی حالت کے بارے میں اعلان پر بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ حال ہی میں اپوزیشن کی طرف سے پہیہ جام کرنے کی جو دھمکی دی گئی تھی وہ اس بین الاقوامی سازش کا ایک حصہ ہے جو ایک ملک پاکستان کے خلاف کر رہا ہے اور جس کے تحت پاکستان کے اندرونی معاملات میں وسیع پیمانے پر مداخلت ہو رہی ہے۔ جناب بھٹو نے کہا کہ جن ذرائع نے اپوزیشن کی حالیہ ایجی ٹیشن کو منظم کیا ہے انہوں نے ماضی میں ایوب خان کو بھی پیش کش کی تھی کہ اگر اس کے خلاف کوئی انقلاب آیا تو وہ ذرائع ایوب خان کو ایسی امداد دیں گے جن سے جوابی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ ایوب خان کو اس سلسلے میں ایک منصوبہ پیش کیا گیا تھا جس کا نام کوڈ لفظوں میں "آپریشن پہیہ جام" رکھا گیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت ایوب خان کو تربیت یافتہ ماہرین کی خدمات مہیا کی جائیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ریلوے، پی آئی اے اور اسی طرح کے دوسرے اداروں سے دو ہزار افراد کو تخریب کاری کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس موقع پر جناب بھٹو نے اردو میں کہا "پہیہ جام بیرونی خیالات ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسی باتیں نہیں ہو سکتیں"

جناب بھٹو نے کہا کہ غیر ملکی طاقت کی طرف سے پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازش کا مقصد ملکی سالمیت کو تباہ کرنا ہے۔ یہ ملک پاکستان میں اس مقصد کے لیے روپے کا سیلاب بھیج رہا ہے۔ انہوں نے کہا میں اس ملک کا نام نہیں لینا چاہتا اور نہ بڑی طاقتوں کے ساتھ کوئی بگاڑ پیدا کرنا چاہتا ہوں لیکن پاکستان کے عوام کو معلوم ہے کہ ہاتھی ایک گینڈے جیسا جانور ہے اور دنیا میں ایسا ہاتھی بھی ہے جو جنگ ویت نام کے دوران پاکستان کی ویت نام کے لیے حمایت کو فراموش نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ہمارا موقف صاف اور واضح تھا۔ ہم نے کبھی اس ملک کی حمایت نہیں کی جو غلطی پر ہو۔ ہم نے مظلوم عوام کی حمایت کا عزم کر رکھا ہے۔

جناب بھٹو نے کہا کہ پاکستان میں اس وقت جو صورت حال ہے وہ ایک بہت بڑی بین الاقوامی سازش کا نتیجہ ہے جو ایک ملک نے پاکستان کے خلاف کی ہے لیکن میں ایسی سازشوں سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مجھے بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔ میں اس قسم کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدوجہد کرتا رہوں گا۔ انہوں نے کہا یہ کوئی ایسی بات نہیں بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف بہت بڑی بین الاقوامی سازش ہے۔ انہوں نے کہا میں اب بھی کسی ملک کا نام نہیں لوں گا جو اس سازش میں ملوث ہے اور جس کا مقصد ایک عمل کے ذریعے پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنا ہے۔ جناب بھٹو آج شام پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں ۵۰ منٹ تک تقریر کی اور وقفوں کے بعد پارلیمنٹ کے ارکان ڈیسک بجا بجا کر ان کے جذبات کا خیر مقدم کرتے رہے۔ پارلیمنٹ نے آج داخلی ایمرجنسی کی منظوری دے دی جو صدر مملکت نے ۲۱ اپریل کو نافذ کی تھی۔ جناب بھٹو نے کہا یہ پہلا موقع نہیں۔ وہ ماضی میں بھی غیر ملکی سازشوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی

ان کے خلاف جدوجہد کرتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا پاکستان میں اس وقت غیر ملکی سرمائے کا سیلاب آیا ہوا ہے اور ماضی میں اتنا روپیہ کبھی پاکستان میں نہیں آیا۔ یہ روپیہ قومی اتحاد کی ایجی ٹیشن کو آگے بڑھانے کے لیے معاشرے کے مختلف شعبوں کے افراد کو رشوت دینے کے کام آ رہا ہے۔ لیکن قومی اتحاد میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ تحریک کو اس انداز میں منظم کر سکے۔ اس میں غیر ملکی دماغ کارفرما ہیں۔ انہوں نے کہا شکاری کتے میرے درپے ہیں کیونکہ میں پاکستان کی سالمیت اور استحکام کی علامت ہوں اور پاکستان کو جغرافیائی اور حکمت عملی کے اعتبار سے اس خطے میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا اگر پاکستان کی حکومت مضبوط اور مستحکم نہ ہوتی تو پاکستان کے داخلی معاملات میں جو بہت وسیع پیمانے پر مداخلت ہوئی ہے ملک اس کا متحمل نہ ہو سکتا اور سازش کا مقصد پورا ہو جاتا۔ انہوں نے کہا دنیا میں اس وقت بہت سے ہاتھی ہیں اور ان کی یادداشت بھی بہت تیز ہے۔ یہ ہاتھی نہ بھولتے ہیں اور نہ ہی معاف کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نے ویت نام کی جنگ کے بارے میں جو موقف اختیار کیا تھا اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے میں نے جنگ ویت نام کے بارے میں جو کردار ادا کیا تھا، چین کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے میں جو جدوجہد

جناب بھٹو، معمر قذافی ٹریپولی کے ہوائی اڈے پر

ہاتھی کیوں ناراض ہے؟

کی تھی ۱۹۷۳ء میں جنگِ رمضان کے موقع پر ہم نے اسرائیل کی جارحیت کے خلاف عربوں کو جو اخلاقی مادی اور فوجی امداد دی تھی اور تیسری دنیا کے سربراہوں کی کانفرنس کی جو تجویز پیش کی ہے ہاتھی انہیں بھی نہیں بھول سکتا۔ انہوں نے کہا کہ ہاتھی نے پاکستان میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کو بھی ناپسند کیا تھا۔ ترکی یونان اور کوریا کے مسائل کے حل کے لیے پاکستان سے جو اپیل کی گئی تھی ہاتھیوں نے اس پر بھی غصے کا اظہار کیا تھا۔ جناب بھٹو نے اس سلسلے میں کہا کہ پاکستان اور فرانس کے مابین ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی خریداری کے لیے جو معاہدہ ہوا ہے اگرچہ پاکستان بارہا یہ یقین دہانی کرا چکا ہے کہ ان کی حکومت اس سے ایٹم بم نہیں بنانا چاہتی اور ایٹمی توانائی کو ایندھن بنانے اور دیگر ترقیاتی کاموں میں استعمال کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان کو ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی فراہمی میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں، چونکہ میں نے اس سلسلے میں دباؤ کا مقابلہ کیا ہے اس لیے اسے میرا جرم سمجھا گیا ہے۔

اپنے مشن کی بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا میرا پاکستان کے بارے میں ایک تصور ہے ایک خواب ہے ایک مشن ہے جسے میں مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا مزدوروں، کسانوں اور خواتین کو آزادی دلا کر ہم نے اجارہ داریوں کی کمر توڑ کر میں نے وہ مشن خاصی حد تک مکمل کر لیا ہے۔ تاہم دو تین اہم کام کرنا باقی ہیں جن کا میں انتخابی مہم کے دوران ذکر کرتا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلا کام یہ ہے کہ میں افغانستان کے ساتھ مسائل کے حل کے لیے ایک آبرومندانہ تصفیہ کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی اور بھی یہ مسئلہ حل کر سکتا ہے لیکن میں چونکہ ۱۹۵۰ء سے ان معاملات سے منسلک رہا ہوں، اس لیے میں انہیں بہتر طریقے سے حل کر سکتا ہوں۔ اور دوسرے کام کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا مجھ پر ملک کی مسلح افواج کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ میں مسلح افواج کو ہر اعتبار سے مستحکم، مضبوط اور صلاحیتوں سے مالا مال دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ہم اس مسئلے کا منصفانہ اور آبرومندانہ حل ممکن بنا سکتے ہیں۔

جناب بھٹو نے کہا کہ قبل ازیں بحث و مباحثہ کے دوران ہنگامی اعلان کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پاکستان میں صرف دو بار ملک گیر انتخابات ہوئے

جناب بھٹو کرنل معمر قذافی کے ہمراہ

ڈاکیوں اور میٹر ریڈروں تک کو رشوت دی گئی

۱۹۷۰ء کے انتخابات مارشل لاء کے تحت ہوئے۔ جب آئین معطل کر دیا گیا تھا جب کہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات موجودہ آئین کے تحت انجام پائے ہیں۔ اس سے قبل صرف صوبوں میں حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے۔ ۱۹۶۵ء کے انتخابات بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت ہوئے۔ سندھ میں ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۰ء کے درمیان ہونے والے انتخابات کو کسی بھی طرح منصفانہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ بے حد غیر منصفانہ انتخابات تھے کیونکہ ان کے فیصلے ووٹوں کے پولنگ کے لیے جانے سے قبل ہی کر لیے گئے تھے۔ جناب بھٹو نے یاد دلایا کہ ممتاز سیاست دان نے تو وقت گذر جانے کے باوجود اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرائے۔ اس شریف آدمی کے کاغذات کے لیے دس بجے کے وقت کو گیارہ بجے قرار دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ انہوں نے کہا سرحد میں جا دوئی انتخابات ہوئے اور پشاور سے قومی اسمبلی کی ایک موجودہ خاتون رکن کو یاد ہوگا کہ ان کا بھائی ان انتخابات کا نشانہ بنا تھا۔ جناب بھٹو نے کہا کہ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے یہاں انتخابات مکمل طور پر انسپکٹر جنرل پولیس کے دفتر میں ہوئے۔ بنگال میں جگتو فرنٹ نے فتح حاصل کی لیکن اس کی فتح کو ناکام بنانے کی تمام کوششیں کی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ ایوب خان مرحوم کے دور کے انتخابات میں اگرچہ بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت صرف اسی ہزار ووٹروں کی محدود تعداد تھی لیکن زبردست شکایات کی گئیں۔ اس وقت موجودہ قومی اتحاد کے بعض رہنماؤں نے محترمہ فاطمہ جناح کو مشورہ دیا کہ وہ نتائج کو تسلیم کر لیں جب کہ مرحومہ نتائج کو مسترد کرنا چاہتی تھیں۔ جناب بھٹو نے کہا کہ بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں بھی جہاں انتخابات کمپیوٹر کے ذریعے ہوتے ہیں بے قاعدگیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس وقت دھاندلیاں کی گئیں۔ اس انتخاب میں ان کے مخالفین کو انتخاب میں حصہ لینے کی صورت میں انتظامیہ کی حمایت کا وعدہ کیا گیا۔ اور لوگوں کو یقین دلایا گیا کہ حکومت ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ان کی امداد کرے گی۔ جناب بھٹو نے اس ضمن میں کئی مثالیں بھی پیش کیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات محض سراب ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات غیر جانب دارانہ نہ تھے۔ سنہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا میں حلفاً کہتا ہوں کہ

پارٹی نہیں گئی، پارٹی نہیں جا سکتی

پہیہ جام آپریشن

میری حکومت نے پولنگ کے بارے میں کسی مداخلت کی ہدایات نہیں کی تھیں۔ انہوں نے تمام صوبوں کے وزراء اعلیٰ سے کہا کہ دھاندلیوں کے خلاف یقین دہانی کرائیں اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جو حکومت کے لیے بدنامی کا باعث بنے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اسے تاریخ میں لکھا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے الیکشن سے دو روز قبل ۵ مارچ کو لاہور میں پنجاب کے تمام کمشنروں کو بھی اسی طرح کی ہدایات دیں۔ انہوں نے کہا کہ قبائلی علاقوں میں مداخلت آسان ہوتی کیوں کہ وہاں ووٹروں کی تعداد محدود ہے۔ لیکن حکومت نے دھاندلیاں نہیں کیں۔ قبائلی ارکان اسمبلی قرآن پر حلف اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ بے ضابطگیاں نہیں کی گئیں۔

جناب بھٹو نے کہا کہ اپوزیشن نے اپنی غنڈہ گردی کے سبب کراچی میں ۹ نشستیں اور صوبہ سرحد میں اکثریت حاصل کی۔ انہوں نے بلوچستان میں انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ وہاں فوج موجود تھی۔ اس موقع پر جناب بھٹو نے سوال کیا کہ اپوزیشن نے پھر ملک کے دیگر علاقوں میں انتخابات کی نگرانی کے لیے فوج بلانے کا کیوں مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب اور سندھ میں اپوزیشن کو شکست ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جب نکسن صدارتی انتخاب میں کینیڈی سے ہار گئے تو نکسن کے حامیوں نے ان سے کہا کہ کینیڈی کے انتخاب کو چیلنج کریں۔ کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ کسی ایک صوبہ میں دھاندلی ہوئی ہے۔ لیکن نکسن نے انتخاب کو چیلنج کرنے کی تجویز کو پسند نہیں کیا۔ کیوں کہ اس سے امریکہ کی قومی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو جاتا۔ جناب بھٹو نے کہا کہ درحقیقت اپوزیشن کا اختلاف الیکشن پر نہیں ہے بلکہ اختلاف کا سبب وہ منصفانہ اور سماجی و اقتصادی اصلاحات ہیں جو ان کی حکومت نے ایک خوشحال معاشرہ کے قیام کے لیے گزشتہ پانچ سال میں کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام مذہب کے طور پر ان کی پارٹی کے بنیادی اور رہنما اصولوں میں سے ایک ہے۔ ان کی حکومت نے اسلام کی جو خدمت کی ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے اور پاکستان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جناب بھٹو نے کہا کہ آئین کی دفعات کے مطابق سات سال کی مدت میں تمام قوانین کو شریعت کے سانچے میں ڈھال دینا چاہیے۔ اور آئین کی ان دفعات پر پی این اے کے رہنماؤں نے بھی دستخط کیے تھے۔ جناب بھٹو نے کہا کہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کی طرح اب اختلاف مذہب پر نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اپوزیشن کی

نظامِ مصطفیٰ کے

اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر لاہور میں جناب بھٹو، یاسر عرفات، حافظ الاسد

زندگی کا مشن مکمل کر کے رہوں گا

ان پارٹیوں نے ہمیں کافر کہا تھا اور قابل گردن زدنی کہا تھا لیکن آپ مسلمان ہیں اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ اس پر کوئی اختلاف نہیں۔ انتخابات کے دوران پی این اے کے رہنماؤں نے کہا کہ شریعت ایک سال بلکہ چھ ماہ میں شریعت نافذ کردیں گے اور پھر میں نے انہیں شریعت کے مطابق قوانین تیار کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ اسے میں نافذ کردوں گا۔ جناب بھٹو نے پی این اے کے رہنماؤں کو مخاطب کرتے ہوتے کہا کہ آپ نے کہا شراب اور قماربازی پر پابندی لگائی جائے۔ میں نے شراب اور قماربازی پر پابندی لگانے کے بعد پی این اے کے علماء کو اسلامی مشاورتی کونسل میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ جناب بھٹو نے کہا اس معاملے میں جب میں نے اپنی پوزیشن بالکل صاف کردی تو مولانا مودودی نے

کہا مسئلہ یہ نہیں ہے۔ جناب بھٹو نے کہا کہ عوام کے جذبات یہ کہہ کر مشتعل کرنے کے بعد کہ ان کی جدوجہد اور تحریک "نظام مصطفےٰ" کے لیے ہے۔ ہمارے بھائیوں جنہیں کہ سڑکوں پر لانے کے بعد مولانا مودودی نے کہا کہ مسئلہ نظام مصطفےٰ کا نہیں ہے۔ جناب بھٹو نے سوال کیا کہ انتخابات کے دوران اپوزیشن نے کون سے سوالات اٹھائے تھے؟ کیا انہوں نے سماجی مسائل یا کوئی اور اہم مسائل اٹھائے تھے۔ جناب بھٹو نے کہا کہ اپوزیشن صرف دشنام طرازیوں اور گندی زبان استعمال

اعلان کے بعد قومی اتحاد کا کیا مسئلہ ہے؟

کشمیر کا پُرامن حل

فوجی قوت میں اضافہ

افغانستان سے باوقار سمجھوتہ

کرتی رہی اور وہ اپنی تقریروں میں ذاتی حملے کرتے رہے یا سینما اور ٹی وی پروگراموں پر حملے کرتے رہے۔ جناب بھٹو نے کہا کہ جہاں تک قیمتوں کا تعلق ہے اگر پی این اے برسراقتدار آبھی گیا تو انہیں شک ہے کہ وہ افراط زر کے مسئلہ پر قابو پالے گا۔ جہاں تک ان کی حکومت کا تعلق ہے وہ قیمتوں سے نمٹنے کے لیے اجرتیں بڑھا رہی ہے۔ حال ہی میں پے اینڈ سروسز کمیشن کے فیصلے پر عملدرآمد کیا گیا ہے۔ اس سے حکومت پر ایک ارب ستر کروڑ روپے کے اضافی اخراجات کا بوجھ پڑے گا۔ اس کے علاوہ تنخواہ دار ملازموں کے خاندانوں اور بچوں کی امداد کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ انہیں بیوقت موت کے علاوہ دوسری مشکلات کے خلاف تحفظ بھی دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں متعدد اصلاحات کی گئی ہیں۔ جناب بھٹو نے کہا اب صورت حال بالکل واضح ہے۔ ایک طرف عوام ہیں اور دوسری طرف مفاد پرست عناصر۔ اب غیر ملکی اخبارات اور صحافیوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ مزدور جنہوں نے اب تک احتجاج میں حصہ نہیں لیا وہ بھی اب متاثر ہوں گے۔

جو لوگ بھٹو دشمنی میں پاگل ہو رہے ہیں اُن کی رہنمائی کے یہ ایک مصدقہ تحریر،

بابائے قوم

حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

کے بارے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر

سابق وزیراعظم بھٹو نے پارلیمنٹ کے خصوصی اجلاس میں بابائے قوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کی تقریر کا مکمل متن درج ذیل ہے۔

یہ ہمارے لئے سنہری موقع ہے یہ موقع آئندہ ایک صدی تک دوبارہ نہیں آئے گا۔

مسٹر سپیکر، جناب! قومی اسمبلی اور سینٹ کے اس مشترکہ تاریخی اجلاس میں ہم نے ارکان کی تقاریر سنیں جنہوں نے اپنے مخصوص انداز میں قائداعظم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ لیکن ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ محض سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ خواہ ہم کتنے ہی شاندار الفاظ میں بابائے قوم کو خراج عقیدت پیش کریں۔ ہمارے لئے اس عظیم قائد کے کارناموں اور جدوجہد کو مکمل طور پر دائرہ تحریر و تقریر میں لانا ممکن نہیں ہے۔ آزادی کے ہیرو عوام کی خود مختاری و آزادی کے علمبردار، سماجی انصاف اور مساوات کے حامی مسلمانوں کے نجات دہندہ اور پاکستان کے بانی کی حیثیت سے ان کی خدمات پر روشنی ڈالنا ناممکن نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے قائداعظم کو جو خوبیاں بخشی تھیں۔ اُن کو بیان کرنے سے ہماری زبان قاصر ہے۔ اور نہ ہی ان کو بیان کرنا آسان ہے۔ تاریخ میں قائداعظم کی مثال نہیں ملتی۔ اُن کی پوری زندگی سے ہم ایک سبق حاصل کرتے ہیں۔ ایسا سبق جسے ہم اور ہماری نسلیں کبھی فراموش نہیں کر سکیں گی

مسٹر سپیکر! جناب محمد علی جناح نے سیاست میں قدم رکھا تو اس وقت انہوں نے دیکھا کہ برصغیر کے مسلمان منتشر، مایوس اور شکست خوردہ نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مسلمان اپنے انگریز آقاؤں کی خوشنودی حاصل کر کے دولت مند بن بیٹھے تھے۔ جب کہ عام مسلمان سیاسی و اقتصادی بدحالی کا شکار تھے۔ سب سے پہلے قائداعظم نے محسوس کیا کہ جب تک پورا برصغیر غیر ملکی قبضہ سے آزاد نہیں ہو جاتا اور تمام شہری اپنی آزادی کے حصول کی خاطر متحد نہیں ہو جاتے۔ اس وقت تک مسلمان بذات خود اپنے بنیادی حقوق حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انہوں نے (قائداعظم) اپنی تمام تر صلاحیتیں انگریزوں کے خلاف سیاسی جدوجہد کے لئے وقف کر دیں اور اپنی تمام قوت ہندو مسلم اتحاد پر صرف کرنا شروع کر دی۔ جنوبی ایشیاء کی آزادی کے لئے اُن کی بے خوف و خطر حمایت نے عوام میں انہیں بے حد مقبول بنا دیا ہے۔ اور بمبئی میں ۱۹۱۴ء میں ان کے اعزاز میں عوامی میموریل ہال تعمیر کیا گیا۔ انہیں ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار قرار دیا جانے لگا اور مسٹر سپیکر! یہی ہال بعد کو بعض اپنے مسلمانوں کی جلسہ گاہ میں منتقل ہو گیا جو قائداعظم کے سخت مخالف تھے۔ اور جنہوں نے ان کے سیاسی کردار کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

لیکن قائداعظم ایسے آدمی نہیں تھے۔ جنہیں خوف زدہ کیا جا سکتا۔ ان کی ہمت اور عزم جوان تھا۔ اور وہ کبھی ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ مستقبل پر اُن کی نظر تھی اور جو منصوبے اُنہوں نے بنا رکھے تھے انہیں کوئی طاقت ناکام نہیں بنا سکتی تھی وہ سستی شہرت حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مالدار ہندو قوم جس کے پاس پبلسٹی اور پراپیگنڈے کے لئے زبردست وسائل تھے۔ وہ بھی قائداعظم کو خرید نہ سکی۔ اور نہ ہی وہ ہندوؤں کے لالچ میں آ سکتے تھے۔ قائداعظم حقائق اور اصولوں کے قائل تھے۔ وہ نہایت دیانتدار تھے۔ اور ان کی خوبیوں کا اظہار اس وقت ہوا جب ۱۹۱۲ء میں احمد آباد بمبئی پراونشل کانفرنس کی صدارت کی۔ اس وقت تک وہ اس بات کے قائل نہیں ہوئے تھے کہ جداگانہ انتخابات مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن انہوں

جناب بھٹو اسلام آباد میں اپنے خاندان ہمراہ چو این لائی اور مارشل چن ژی کے ساتھ (۱۹۶۴ء)

خواجہ گو اُس وقت اپنے خطبۂ صدارت میں کہا، میں اسے نقل کرتا ہوں: "یہ بات غلط ہے یا صحیح، مسلمان قوم فی الحال اس بات کا عزمِ صمیم کیے ہوئے ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں اور وہ اس بات پر مصر ہے۔ اس مسئلہ پر اس لئے بحث مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یہ پوری قوم (مسلم قوم) کا فیصلہ تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں جداگانہ انتخابات کا مطالبہ محض پالیسی ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کی ضرورت ہے جو مایوسی اور خوف و دہشت کے ماحول سے نکلنا چاہتے ہیں۔ یہ جس کا وہ عرصہ دراز سے شکار ہیں۔ یہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کو چند ایک نشستیں دے دینے کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ نوکرشاہی سے جمہوریت کو اقتدار کی منتقلی کا مسئلہ ہے۔" میں ایوان کو یہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس اجلاس میں ہندو حاضرین کی اکثریت تھی جس میں قائداعظم نے خطاب کیا۔ قائداعظم کی عظیم شخصیت، ذہانت، اور اُن کی طاقت کا اندازہ تحریک خلافت کے زمانہ سے ہوتا ہے۔ جب کہ یہ تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔ اس وقت قائداعظم طوفان میں ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں مسٹر جناح نے گاندھی سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اُن کے اس موقف کی وضاحت اس وقت ہوئی جب ۱۹۲۲ء میں چوری چورا کے واقعہ کے بعد گاندھی نے تحریک اچانک ختم کردی۔ جس سے مسلمان سخت پریشان اور حیران ہوگئے۔ اب اُن مسلمانوں کو حقیقت کا علم ہوا جو گاندھی کو اپنا لیڈر سمجھے ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے اپنے لیڈروں کو چھوڑ کر گاندھی کو قائد منتخب کرلیا تھا۔

مسٹر سپیکر! اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قائداعظم میں خود اعتمادی کس حد تک موجود تھی۔ ایک وقت تھا کہ جب اُنہوں (قائداعظم) نے کہا تھا کہ مسلم لیگ صرف اُن پر اور اُن کے سٹینوگرافر پر مشتمل ہے۔ یہ بے جا دعویٰ نہیں تھا۔ اُنہوں نے یہ بات یونہی فخر سے نہیں کہہ دی تھی بلکہ یہ بات افسوس سے کہی تھی کتنے لوگ ہیں جو اُن (قائداعظم) کو سمجھتے ہیں یا کتنے لوگ ان کے خیالات و نظریات کو سمجھتے ہیں؟۔ کتنے لوگ ان کی ذہانت کو پہنچ سکتے ہیں۔ ہم کو ان کے نابغین کا احترام کرتے وقت یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ بنیادی طور پر قائداعظم ہی ہر بات خود سوچتے تھے۔ اور ان ہی سے دوسرے لیڈروں تک یہ بات پہنچتی تھی گویا ہر سکیم کے وہی واحد محرک ہوتے تھے۔

قائداعظم کے کردار کا بہترین پہلو یہ تھا کہ وہ کبھی اپنے مخالفوں کی سازشوں میں نہ آتے تھے۔ وہ ان لوگوں کے منصوبوں کو بھی ناکام بنا دیتے تھے جو خود ان کے پیرو ہوتے تھے۔ جو آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسیوں اور پروگراموں پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ لیکن دراصل وہ اس کے مقاصد کے خلاف کام کر رہے تھے۔ برطانوی سامراج کے خلاف ان کی زبردست جدوجہد اور ہندوؤں کے غلبہ کے خلاف ان کی بھرپور کوششیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ قائداعظم کتنے عظیم سیاست دان اور مدبر تھے۔

مسٹر سپیکر! جناب! ہم یہاں ۱۹۲۹ء میں دہلی میں ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی کارروائی یاد دلاتے ہیں۔ اس وقت اجلاس میں نہرو رپورٹ زیر بحث آئی تھی۔ محمد علی جناح نے اس کی سفارشات کو آل انڈیا مسلم لیگ کی تجاویز کے برعکس نہرو رپورٹ کی غیر مشروط حمایت پر مشتمل تھا۔ لیکن مارچ ۱۹۲۹ء کے مسلم لیگی اجلاس نے بعض مسلمان سیاست دانوں کی قلعی کھول کر رکھ دی تھی۔ مسلم لیگیوں کا ایک گروپ نے ایک علیحدہ تنظیم قائم کرلی اور اس کا نام مسلم کانفرنس رکھ دیا۔ تیسرا گروپ جداگانہ یا مشترکہ انتخابات کے مسئلہ پر کوئی واضح نقطۂ نظر اختیار نہ کرسکا۔ ایوان کو اس بات پر حیرت ہوگی کہ مسلم لیگیوں کا چوتھا گروپ بھی تھا جو قائداعظم کے برعکس نہرو رپورٹ کی غیر مشروط حمایت پر مصر تھا۔ اور اس نے آل انڈیا نیشنلسٹ مسلم پارٹی کے نام سے اپنی تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا۔

بہرحال قائداعظم جیسا زبردست قوت ارادی کا مالک انسان اپنے مقصد سے ذرا بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ قائداعظم مسلمانوں کو برطانوی اور ہندو سامراج کا غلام بننے سے روکنا چاہتے تھے۔ بالآخر ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ بنا۔ قائداعظم نے اس کی وفاقی دفعات کی یکسر مخالفت کی۔ لیکن اس بات پر زور دیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو صوبائی انتخابات لڑنا چاہئیں تاکہ یہ بات ثابت ہو سکے کہ وہی مسلمانوں کی واحد صحیح نمائندہ جماعت ہے لیکن مسلم لیگی لیڈروں اور خاص طور پر نام نہاد مسلم لیڈروں نے کیا رویہ اختیار کیا؟ وہ ان اہم انتخابات سے اپنے لاکھوں ہم مذہبوں کی قسمت کی وابستگی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔

پنجاب میں یونینسٹ پارٹی نے قائداعظم سے کہہ دیا تھا کہ پنجاب سے دستبردار ہو جائیے۔ بنگال میں کرشک پرجا پارٹی نے دعویٰ کیا کہ مسلم لیگ کے مقابلے میں وہی نمائندہ جماعت ہے۔ اور اس کو بنگال مسلم لیگ پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

سندھ میں مختلف لیڈروں نے خود کو قوم پرست مسلمان ظاہر کرتے ہوئے مسلمان کے لئے میدان تیار کرلیا۔ اس میں سے بعض لیڈر اس تحریک کے حامی تھے۔ جسے آج "سندھو دیش تحریک" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو کالعدم قرار دی جا چکی ہے۔

یو۔ پی میں نیشنلسٹ ایگریکلچرل پارٹی راتوں رات قائم ہوئی جس کے قائد ایک نواب تھے۔ جن کا میں نام نہیں لینا چاہتا۔ دراصل میں اپنے معزز دوستوں کو یہ بات یاد دلا دوں کہ صوبہ سرحد میں وہ با اثر کانگریسی بھائی تھے۔ ایک خان، سرحدی گاندھی کہلاتا تھا۔ اور مولویوں کی بھی ایک تنظیم تھی جو مسلمانوں کے ذہنوں کو پراگندہ کر رہی تھی۔ قائداعظم جب اپنی زندگی کی بہترین مہم شروع کرنے والے تھے۔ تو اس وقت مسلمانوں میں عدم اتحاد، مایوسی، بے چینی اور عدم تنظیم کی صورت